بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خُلاصۃُ التّفاسِیر

قرآنِ مُبین مُترجَم

۱۱ (11)

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمّد حسن رضوی

ناشر: پاک مُحرّم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹۔ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ فون: ۷۲۳۲۳۵۴)

www.drhasanrizvi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خُلاصۃُ التّفاسِیر

قرآنِ مُبین مُترجّم

پارہ

۱۱

مختلف مکاتبِ فکر قدیم و جدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان اُردو ترجمہ

از ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر: پاک مُحرّم ایجوکیشن ٹرسٹ
(۲۷۹۔ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ فون ۷۲۳۲۳۵۴۱)

www.drhasanrizvi.org

فہرست پارہ ۱۱

سورۃ التوبۃ از آیت ۹۴ تا آخر — سورۃ یونس از آیت ۱ تا ۱۰۹

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ نمبر
۱۔	منافقوں نے حضورؐ سے بغاوت اور حضرت علیؑ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔	۱۳۷۰
۲۔	حضرت ابوذرؓ کا واقعہ	۱۳۷۱
۳۔	عرب کے بدّوؤں کی ذہنیت	۱۳۷۳
۴۔	صحرائی بدّوؤں کی تعریف بزبانِ خداوندی	۱۳۷۴
۵۔	اسلام میں سبقت کرنے والوں کا مقام	۱۳۷۵
۶۔	نتائج و تعلیمات	۱۳۷۷
۷۔	آیت کا آخری مطلب	۱۳۷۹
۸۔	اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔	۱۳۸۰
۹۔	توبہ کا طریقہ	//
۱۰۔	توبہ کی اہمیت خدا کے نزدیک	۱۳۸۱
۱۱۔	صدقے کی اہمیت خدا کی نظر میں	۱۳۸۲
۱۲۔	غلط فہمی کا ازالہ	۱۳۸۴
۱۳۔	مومنوں سے مراد ہم اہلبیتؑ ہیں۔	//
۱۴۔	مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیں ۔کیونکہ ؟	۱۳۸۵
۱۵۔	غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والے دو قسم کے لوگ شرمندہ تھے۔	۱۳۸۶
۱۶۔	مسجدِ ضرار کا واقعہ۔	۱۳۸۷
۱۷۔	پاک و پاکیزہ لوگوں کو خدا بہت چاہتا ہے۔	۱۳۸۸
۱۸۔	"خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج"	۱۳۸۹
۱۹۔	مسجد سے مسجد کے خلاف فائدہ اٹھانے کی کوشش۔	۱۳۹۰
۲۰۔	مومنین سے اللہ کی تجارت	۱۳۹۱
۲۱۔	آیت میں مومنین کے مزید اوصاف بیان کیے جارہے ہیں	۱۳۹۳
۲۲۔	مشرکین بھی معافی کے مستحق نہیں۔	۱۳۹۴
۲۳۔	حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے دعا کی۔	۱۳۹۵
۲۴۔	اللہ ہدایت دیتا ہے، گمراہ نہیں کرتا۔	۱۳۹۷
۲۵۔	نبی کریمؐ ذریعۂ رحمتِ خداوندی	۱۳۹۸
۲۶	تین صحابیوں کی توبہ کا ذکر۔	۱۳۹۹
۲۷۔	صادقین سے مراد رسولِ خداؐ کے بعد آلِ محمدؐ ہیں۔	۱۴۰۱
۲۸۔	ابوخثیمہ کا قصہ	۱۴۰۲
۲۹۔	علمِ دین حاصل کرنے کا طریقہ	۱۴۰۳
۳۰۔	کفر و نفاق کا علاج	۱۴۰۴
۳۱۔	نتائج و تعلیمات	۱۴۰۵
۳۲۔	پرہیزگاری کے ساتھ سختی کا درس	۱۴۰۶
۳۳۔	تعلیم و نتائج	//
۳۴۔	اللہ کی آیتیں سننے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے	۱۴۰۷
۳۵۔	مومنوں اور منافقوں کے امتحانات	۱۴۰۸
۳۶۔	منافق آپس میں اشارے بازی کیا کرتے تھے۔	۱۴۰۹
۳۷۔	رسولِ خداؐ کی مدح بزبانِ وحیِ الٰہی	۱۴۱۰
۳۸۔	اللہ پر بھروسہ بہترین عمل ہے۔	۱۴۱۱
۳۹	حیوانات اور درندوں سے حفاظت کیلئے	۱۴۱۲

www.drhasanrizvi.org

شمار	ذیلی عناوین	صفونمبر
۴۰	سورۃ یونس	۱۴۱۳
۴۱	اس سورۃ کی فضیلت و خواص	//
۴۲	کفّار کی کج فہمی	۱۴۱۵
۴۳	ہر چیز کی تخلیق صرف اللہ کا امر ہے	۱۴۱۶
۴۴	شفاعت کا حق کس کو ہے ؟	۱۴۱۷
۴۵	نتائج و تعلیمات درسِ معرفتِ الٰہی	//
۴۶	بالآخر سب کو خدا کی طرف پلٹنا ہے	۱۴۱۸
۴۷	قرآن نے چودہ سو برس قبل فرما دیا کہ : ؟	۱۴۱۹
۴۸	عقیدۂ آخرت کا منطقی ثبوت	//
۴۹	اللہ کی تخلیقات پر غور و فکر بہر حال ضروری ہے	۱۴۲۱
۵۰	انسان کی تباہی کا اصل سبب	۱۴۲۲
۵۱	ایمان کی تعریف	۱۴۲۵
۵۲	جنتی لوگوں کی باتیں	۱۴۲۶
۵۳	بہشتی لوگوں کے لیے نعماتِ جنّت	۱۴۲۷
۵۴	اہلِ جنّت کے لیے تین عظیم نعمتیں	//
۵۵	خدا جلد بازی سے کام نہیں کرتا	۱۴۲۸
۵۶	انسان خدا پرست نہیں، بلکہ مطلب پرست ہے	۱۴۲۹
۵۷	عبرت حاصل کرو گذشتہ لوگوں سے	۱۴۳۰
۵۸	عربوں کی جاہلانہ فرمائش اور اس کا جواب	۱۴۳۱
۵۹	دعوتِ غور و فکر	۱۴۳۳
۶۰	سب سے بڑا ظالم کون ہے ؟	۱۴۳۵
۶۱	اللہ کے نزدیک شرک کی حقیقت	۱۴۳۶
۶۲	دنیا دارِ عمل اور آخرت دارِ جزا و سزا ہے	۱۴۳۸
۶۳	معجزوں کا مطالبہ تو عذرِ لنگ ہے	۱۴۳۹

شمار	ذیلی عناوین	صفونمبر
۶۴	کفرانِ نعمت پر سزا دینے کا طریقہ	۱۴۴۰
۶۵	معرفتِ خدا کا درس	۱۴۴۲
۶۶	مالِ دنیا اور اس کا فساد	۱۴۴۳
۶۷	زندگی بھی عالمِ بالا کی سے پانی کی طرح آئی ہے	۱۴۴۴
۶۸	سلام کے معنی	۱۴۴۵
۶۹	اللہ کے بلانے کے معنی	//
۷۰	خدا کے نزدیک نیکیوں کا اجر عجیبُ غریب ہے	۱۴۴۶
۷۱	سفید اور نورانی چہرے والے لوگوں کی جزا، اور ان کی تعریف	۱۴۴۷
۷۲	بدکاروں کے چہرے سیاہ ہوں گے	۱۴۴۸
۷۳	روزِ محشر مشرکوں اور اُن کے معبودوں کا مکالمہ	۱۴۴۹
۷۴	آخرت میں تمام جھوٹے رشتے ٹوٹ جائیں گے	۱۴۵۰
۷۵	قیامت کے دن حقیقتوں کو جھٹلانے والوں کی پول کھل کر سامنے آجائے گی۔	۱۴۵۱
۷۶	اللہ اپنے امور کی طرف توجہ دلا رہا ہے	۱۴۵۲
۷۷	تبلیغ کا بہترین طریقہ	۱۴۵۳
۷۸	حق واضح ہونے کے بعد نافرمانی ضد ہے	۱۴۴۵
۷۹	آیت کا مفہوم	//
۸۰	اپنے مالک و آقا سے انحراف	۱۴۵۵
۸۱	حق اور باطل کی شناخت	//
۸۲	حق کی طرف ہدایت کرنے والے	۱۴۵۶
۸۳	ظن و گمان کی پیروی کا رد اور اثبات	۱۴۵۸
۸۴	یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کا مقام بلند ترین ہے	۱۴۵۹

www.drhasanrizvi.org

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ نمبر
۸۵	قرآن کا چیلنج اور اس کا مفہوم	۱۴۶۰
۸۶	علم معرفت کی پیداوار اور ذریعہ ہے	۱۴۶۲
۸۷	عقیدۂ رجعت	″
۸۸	انسان کی ناسمجھی	″
۸۹	اصل استدلال	۱۴۶۳
۹۰	منکرینِ حق جان بوجھ کر فساد برپا کرتے ہیں	۱۴۶۴
۹۱	عقل کے اندھے	۱۴۶۵
۹۲	آنکھوں کے اندھے	″
۹۳	آیت کا مفہوم	″
۹۴	عقل وضمیر کی موت	۱۴۶۶
۹۵	روزِ محشر منکرینِ حق کو احساس ہوگا	۱۴۶۷
۹۶	خدا کے وعدے	۱۴۶۸
۹۷	ہر اُمت کیلئے ایک ہادی ورہنما کا ہونا خدا کے نظامِ عدل میں ہے	″
۹۸	خدا کا عدل	۱۴۶۹
۹۹	میں تو خود اپنے ضرر و نفع کا مختار نہیں ہوں۔	۱۴۷۰
۱۰۰	کتنی بڑی حماقت ہے کہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔	۱۴۷۲
۱۰۱	عذاب آجانے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوگا	۱۴۷۳
۱۰۲	زمانۂ رجعت کا ذکر	۱۴۷۴
۱۰۳	عدالتِ خداوندی	″
۱۰۴	قرآن کی معرفت وعظمت	۱۴۷۵
۱۰۵	فضل سے مراد آنحضرتؐ اور رحمت سے مراد حضرت علیؑ کی ولایت۔	۱۴۷۷

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ نمبر
۱۰۶	رزق کا مفہوم	۱۴۷۸
۱۰۷	خدا کی ناشکری یہ بھی ہے	۱۴۸۰
۱۰۸	خدا کا علم ہر چیز پر حاوی ہے	۱۴۸۱
۱۰۹	اولیاء اللہ کون ہیں؟	۱۴۸۲
۱۱۰	خدا اپنے بندوں سے روزِ قیامت کون سا دین قبول کرے گا۔	۱۴۸۴
۱۱۱	قرآن کا فطری طریقہ تحقیق عقل کی بنیاد پر حجت	۱۴۸۵
۱۱۲	نتیجہ اور معیار	۱۴۸۷
۱۱۳	رات اور دن کی افادیت	۱۴۸۸
	نتیجہ اور پیغام	″
۱۱۴	خدا ہر چیز سے بے نیاز ہے	۱۴۸۹
۱۱۵	خدا کے اولاد ہونے کی تردید	″
۱۱۶	آیت کا پیغام	۱۴۹۰
۱۱۷	اے رسولؐ! ان کو قومِ نوحؑ کا انجام بتا دو	۱۴۹۱
۱۱۸	آیت کا پیغام	۱۴۹۲
۱۱۹	جاہل قوموں کا شعار	۱۴۹۴
۱۲۰	مُہر لگانے سے مراد توفیقات کا سلب کرلینا ہوتا ہے۔	۱۴۹۵
	آیت کا پیغام۔	″
۱۲۱	معجزوں کو جادو کہنا جہالت ہے	۱۴۹۶
۱۲۲	قلب ونفس کی اصلاح تو کیا ہوتی	″
۱۲۳	لاجواب ہو کر باپ داداؤں کے طریقوں کا سہارا لیا جا رہا ہے۔	۱۴۹۸
۱۲۴	حق اور باطل کام میں فرق	۱۴۹۹
۱۲۵	آیت میں لفظ "ذریت" کے معنی	۱۵۰۰

www.drhasanrizvi.org

شمار	ذیلی عناوین	صفحہ نمبر
۱۲۶	اللہ کے فرمانبردار اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔	۱۴۰۲
۱۲۷	حضرت موسیٰؑ کو تقیہ کا حکم	۱۴۰۴
۱۲۸	حضرت موسیٰؑ کی بددعا	۱۴۰۵
۱۲۹	حضرت موسیٰؑ کی دعا قبول ہوگئی	۱۴۰۶
۱۳۰	فرعون اور اُس کے لشکر کی غرقابی	۱۴۰۷
۱۳۱	خداوندِ عالم کا یہ اصول ہے کہ عذاب کے وارد ہوجانے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں۔	۱۴۰۸
۱۳۲	بنی اسرائیل پر نعمتوں کی فراوانی	۱۴۰۹
۱۳۳	شک سے مراد	۱۴۱۱
۱۳۴	اللہ نے حضرت یونسؑ کی قوم سے عذاب ہٹا دیا	۱۴۱۴
۱۳۵	دینِ خدا میں جبر واکراہ نہیں	۱۴۱۵
۱۳۶	پیغام اور نتیجہ	۱۴۱۶
۱۳۷	ہماری نشانیوں کو آنکھیں کھول کر دیکھو	۱۴۱۷
۱۳۸	یہ لوگ بھی عذاب کے منتظر ہیں	۱۴۱۸
۱۳۹	انتظارِ فَرَج بہترین عمل ہے	۱۴۱۹
۱۴۰	نجات کا سبب عقیدۂ امامت	۱۴۲۰
۱۴۱	خدا کے احکامات کی پابندی خود رسولِ خداؐ پر بھی ضروری ہے۔	۱۴۲۱
۱۴۲	قادرِ مطلق صرف اللہ ہے	۱۴۲۲
۱۴۳	اللہ کی طرف سے حجت تمام ہوچکی	۱۴۲۳
۱۴۴	اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو صبر کی تعلیم دے رہا ہے	۱۴۲۴
۱۴۵	اِس سورۃ کا خلاصہ	//
۱۴۶	سورۃ ہود	۱۴۲۵
۱۴۷	خدا سے معافی مانگنے کا انجام	۱۴۲۶
۱۴۸	مشرکوں کا طریقہ	۱۴۲۸

:- تمّت بالخیر :-

www.drhasanrizvi.org

(پارہ) يَعۡتَذِرُوۡنَ (١١)

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ٩٤

(٩٤) جب تم اُن کی طرف واپس پلٹو گے تو وہ تم سے طرح طرح کی عُذر خواہی اور بہانے بازی کریں گے۔ مگر تم صاف صاف کہدینا کہ تم (بیکار کی) عُذر خواہی اور بہانے بازی نہ کرو۔ ہم تمھاری کسی بات کو بھی نہ مانیں گے، اور نہ تمھارا اعتبار کریں گے۔ (کیونکہ) اللہ نے ہمیں تمھارے حالات بتا دیے ہیں۔ اب تو اللہ اور اُس کا رسولؐ تمھارے (طرزِ) عمل کو دیکھے گا۔ پھر تم اُس کی طرف پلٹا کر بھی لے جائے جاؤ گے، جو حاضر و غائب سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کیا (کچھ) کیا کرتے تھے۔

یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر اُتری۔ پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ جو منافقین لشکرِ اسلام کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلے تھے وہ واپسی پر بہانے بازیاں کریں گے۔ قسمیں کھاکھا کر اپنی بے گناہی کو ثابت کریں گے تاکہ تم شکایت نہ کرسکو، بلکہ اُن سے خوش ہوجاؤ۔ تو خیر تم شکایت تو نہ کرنا تاکہ کم از کم یہ اسلام کے دائرے میں رہیں اور اس طرح فتنہ و فساد برپا نہ کرنے لگیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کی اولادیں راہِ راست پر آجائیں۔ لیکن تم اُن سے ہرگز راضی نہ ہونا۔ *..... (تفسیر کبیر)

(تعلیم و نتیجہ):۔ عُرفا نے نتیجہ نکالا کہ نفاق ظاہر ہوجانے پر نظر انداز تو کیا جاسکتا ہے مگر اُس سے قلبی دوستی اور یگانگت روا نہیں۔ * (موضح القرآن و تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ٩٥

(٩٥) تمہاری واپسی پر یہ لوگ تمہارے سامنے عنقریب (قسموں پر) قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن کو نظر انداز کرکے اُنھیں معاف کردو۔ تو چاہیے تم اُن کو نظر انداز کرکے اُن کی طرف سے لاپرواہی کرلو (مگر) وہ تو سر سے پیروں تک نجاست ہی نجاست ہیں۔ اور اُن کا ٹھکانا جہنّم ہے، جو خود اُن کی اپنی کمائی کے بدلے میں اُنھیں ملے گی۔ [ف۱]

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ ٩٦

(٩٦) وہ تمہارے سامنے (قسموں پر) قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم اُن سے راضی ہوجاؤ، حالانکہ اگر تم اُن سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ہرگز ایسے بُرے کام کرنے والوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔ [ف۲]

(آیت ٩٥) [ف۱] محققین نے نتیجہ نکالا کہ نفاق کی خباثت کا اصل علاج صرف جہنّم کی آگ ہے۔ اسی لیے منافقوں اور حق کے سخت منکروں سے ترکِ تعلقات ہی مناسب ہے۔ ٭ . . . . (تفسیر کبیر)

(آیت ٩٦) [ف۲] حضورِ اکرم ؐ نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کو ناراض کرکے خدا کی خوشی کو طلب کرتا ہے، تو اللہ اُس سے راضی ہوجائے گا اور جو شخص اللہ کو ناراض کرکے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اللہ خود بھی اُس سے ناراض ہوگا اور لوگوں کو بھی اُس سے ناراض کردے گا۔" ٭ . . . . (تفسیر صافی صہ ۲۱۴ - بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

آیت نمبر ٩٥ اور ٩٦ کو ملا کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ منافقین کی قسمیں کھانے کے دو مقاصد تھے۔ پہلا مقصد تو یہ تھا کہ مسلمان اُن پر طعنے نہ کسیں کہ وہ میدانِ جنگ کے لیے نکلنے کی ہمّت نہ کرسکے تھے، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اُن سے خوش ہوجائیں، اور یہ مان لیں کہ وہ ہمارے واقعی دوست ہیں . . . . جواباً خدا نے پہلی بات کا جواب تو یہ دیا کہ: "تم اُن لوگوں کو نظر انداز کرکے معاف کردو۔"

www.drhasanrizvi.org

یعنی، اُن پر طعنے نہ کسو اور اُنھیں چھوڑ دو، اُن سے بے پروائی اختیار کرو۔ کیونکہ خدا کی مصلحت یہی ہے کہ منافق اِسلام کے دامن میں پناہ لیے رہیں۔ ظاہری اِسلام قبول کیے رہیں، تاکہ فتنہ و فساد، قتل و غارتگری رُکی رہے، تاکہ اُن کی اولادیں شاید سیدھے راستے پر آجائیں۔ البتہ منافقوں کا دوسرا مقصد پورا نہ ہونے دو۔ یعنی اُن سے دلی طور پر راضی نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تم اُن سے راضی ہو بھی گئے تو بھی خدا اُن سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔ ★ . . . . (فصل الخطاب)

منافقوں نے حضورؐ سے بغاوت اور حضرت علیؑ کے قتل کا منصوبہ بنایا

★ منافقوں نے آپس میں مشورہ کرلیا کہ جب حضورؐ مدینہ سے باہر جائیں گے تو ہم اعلانِ بغاوت کرکے اُن کے اہل و عیال کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ خدا نے جبرئیل کے ذریعے حضورؐ کو یہ پیغام پہنچایا کہ اِس سفر کا انجام جنگ نہیں ہے لہٰذا علیؑ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جائیے تاکہ منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا۔ جب منافقوں نے دیکھا کہ ہماری تجویز ناکام ہو گئی تو اُنھوں نے کہنا شروع کردیا کہ حضورؐ کے لیے علیؑ کا ہمرکاب ہونا بارِ خاطر تھا لہٰذا اُن کو ساتھ لے جانا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ بھی روانہ ہو گئے اور لشکرِ اسلام سے جا ملے۔ حضورؐ نے فرمایا: اے علیؑ! میں نے تمھیں مدینے میں اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑا تھا پھر تمھارے آنے کی کیا وجہ ہوئی؟ عرض کی، "حضورؐ! منافقین کی طعنہ زنی سے تنگ آکر آمادۂ سفر ہوا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا: "اے علیؑ! کیا تم راضی نہیں ہو کہ، تمھاری منزلت مجھ سے وہ ہو جو ہارُون کی موسیٰؑ سے تھی، فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (بخاری شریف)

پس حضرت علیؑ نے واپس مراجعت فرمائی۔ لیکن منافقین کو جب حضرت علیؑ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے آپؑ کے قتل کی تجویز کی اور راستے میں کنواں کھود کر اوپر خس و خاشاک ڈال دیے تاکہ جب آپؑ اُس میں گر جائیں تو اوپر سے سنگباری کرکے اُن کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ جب حضرتؑ کا گھوڑا اُس مقام پر پہنچا تو آگے نہ بڑھا اور اپنی زبانِ بے زبانی سے اطلاع دی۔ آپؑ نے گھوڑے کو دعا دی اور حکم فرمایا: اے وفادار! بے فکر ہو کر چلے چلو خدا ہمارا محافظ ہے

www.drhasanrizvi.org

چنانچہ خداوندِ عالم نے اُس جگہ کو مضبوط کردیا اور حضرت علیؑ کا گھوڑا اُس کنوئیں کے اوپر سے بحفاظت گذر گیا اور آپؐ کے ساتھی بھی گذر گئے۔

اِس کے بعد آپؐ نے کنوئیں کے منھ سے خس و خاشاک ہٹانے کا حکم دیا تاکہ منافقین کا مکر ظاہر ہو جائے صحابہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح منافقوں نے میرے قتل کی تجویز کی تھی اسی طرح حضورؐ کے ہمراہ جانے والے بعض منافقین واپسی پر حضورؐ کے قتل کی بھی تجویز کریں گے لیکن خدا اُن کو بھی منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ..... (تفسیر انوار النجف ج صـ)

حضرت ابوذر کا واقعہ

صحابۂ کرام میں بعض نیک دل اور خالص مومن افراد بھی ایسے تھے جو ابتداء میں اپنی بعض وجوہ کی بناء پر حضورؐ کے ہمرکاب نہ ہو سکے تھے اور بعد میں جا ملے تھے۔ اُن میں سے ایک ابوذر بھی تھے۔ جو تین دن کی تاخیر سے کاروانِ رسالتؐ سے جا ملے۔ وجہ یہ تھی کہ اُن کی سواری کا اونٹ بیمار تھا پس اُنھوں نے اونٹ کو آزاد کر کے رختِ سفر کاندھے پر اُٹھایا اور پاپیادہ چل دیے۔ تیسرے دن مسلمانوں نے ظہر کے وقت اپنی جانب آنے والے ایک پیادہ کی حضورؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ ابوذر ہوں گے۔ پس تم لوگ اُن کی پیشقدمی میں جلد جاؤ کیونکہ وہ پیاس سے بے قرار ہیں۔ چنانچہ جب ابوذر حاضر ہوئے تو پانی سے بھرا ہوا مشکیزہ اُن کے پاس دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابوذر! پانی کے باوجود تم پیاسے کیوں چلے آرہے ہو؟ عرض کی: حضور اثنائے راہ میں ایک چشمے کے قریب سے گذرا جس کا پانی نہایت صاف و شفاف و شیریں تھا پس دل میں خیال کیا کہ پہلے حبیب کبریاؐ اس پانی کو پییں گے پھر میں پیوں گا۔ چنانچہ پانی سے مشکیزہ بھر کر آپؐ کی خاطر لایا ہوں۔ آنحضرتؐ نے ابوذر کو دعائے خیر دی اور فرمایا:

"تمھارے اوپر خدا کی رحمت ہو، اے ابوذرؓ! تمھاری زندگی تنہائی کی ہوگی اور موت بھی تنہائی کی ہوگی، اور تم اُسی حالت میں مبعوث ہوگے اور داخلِ بہشت ہوگے۔"

دوسرے خثیمہ تھے جو نہایت بہادر قوی اور خوبصورت نوجوان تھے۔ عالی شان محل، دو خوبصورت بیویوں کا مالک تھا قسمت نے یاوری کی تو سب کچھ چھوڑ کر محبتِ رسولؐ میں تیز رفتار شتر پر سوار ہو کر آپؐ کی خدمت میں جا پہنچے۔ آنحضرتؐ نے اُن کو بھی دعائے خیر سے نوازا۔ ..... (ملخص از تفسیر انوار النجف صـ)

www.drhasanrizvi.org

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّ (۹۷) یہ صحرائی اور دیہاتی عرب حق کے انکار کرنے
اَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اور اپنی منافقت میں بہت ہی سخت اور
اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ گھرے ہوتے ہیں۔ اور اس بات کا امکان
حَكِيۡمٌ‏ ۝۹۷ بہت زیادہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ (دین کے) اُن حدود
واحکامات سے ناواقف ہوں جو اللہ نے اپنے رسول ؐ پر اُتارے ہیں۔ (غرض) اللہ سب کچھ جانتا ہے
اور بالکل ٹھیک نہایت گہری مصلحتوں کے مطابق کام کرنے والا ہے

" اَعراب " بادیہ نشین جنگلی عربوں کو کہتے ہیں۔ اعراب کا واحد نہیں ہے البتہ جمع الجمع اعاریب ہے۔
غرض اعراب صیغہ جمع کا ہے۔ لیکن یہ لفظ "عرب" کی جمع نہیں۔ (امام راغب اصفہانی۔ فیروز آبادی۔ سیبویہ۔ نیشاپوری)

" اَعراب " اعرابی کی جمع ہے۔ (المنجد)

★ اگر کسی اعرابی کو عرب کہہ دیا جائے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سمائے گا لیکن اگر کسی عربی کو اعرابی کہہ دیجیے تو اس کو سخت غصہ آئے گا، کیونکہ شہری اور مہذب آدمی کو "عربی" اور غیر مہذب جنگلی انسان کو "اعرابی" کہتے ہیں۔
(لغات القرآن نعمانی جلد ۱ ص ۱۲۶)

★ صحرائی اور دیہاتی عربوں کا نفاق اس لیے شدید ہوتا تھا کہ اُن کو علماء اور عقلاء کی صحبت بہت کم ملتی تھی۔
★ . . . (تفسیر صافی ص ۲۱۳)

نتیجہ اور تعلیم

(۱) اسی لیے عرفاء نے نتیجہ نکالا کہ علماء اور عقلاء کی صحبت خیر کی طرف دعوت دیتی ہے۔
(تفسیر کبیر)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "عالم کی صحبت میں ایک ساعت بیٹھنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔" ★ . . . (الکافی)

(۲) نتیجتاً دیہاتی عربوں کی سنگدلی کا ذکر بہت سی حدیثوں میں بھی ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی اعرابی نے حضورِ اکرم ؐ کو بچوں (حسنؑ و حسینؑ) کو پیار کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: "اے آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کو پیار نہیں کیا۔" حضورِ اکرم ؐ نے فرمایا: "میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل سے اپنی رحمت ہی کو نکال لیا ہے۔" ★ . . . (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا (۹۸) ان صحرائی دیہاتی عربوں میں ایسے ایسے
يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ لوگ بھی ہیں کہ جو اگر اللہ کی راہ میں کچھ خرچ بھی
الدَّوَآئِرَ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ کرتے ہیں تو اُسے (اپنے لیے) ایک بڑا نقصان
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۹۸ تاوان یا جُرمانہ سمجھتے ہیں اور وہ تم لوگوں کے لیے
بُرے دنوں اور مصیبتوں کا انتظار کرتے ہیں بُرے دن خود اُنہی کو دیکھنا پڑیں۔ اور اللہ تو سب کچھ
سُنتا اور جانتا ہے۔

عرب کے بدّوؤں کی ذہنیت

محققین نے اِس آیت سے نتیجے نکالے کہ:

(۱) اللہ کی راہ میں شریعت کے مطابق مال خرچ کرنے کو جُرمانہ سمجھنا نفاق کی علامت ہے۔

(۲) دوسروں کا بُرا چاہنے والا حاسد خود ویسی ہی بلاؤں میں گرفتار ہوتا ہے جو وہ دوسروں کے لیے چاہتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

★ اصل بات یہ تھی کہ اکثر دیہاتی عرب محض اسلام کا غلبہ دیکھ کر صرف مادّی فوائد حاصل کرنے کے لیے مسلمان ہو گئے تھے۔ اِس لیے وہ خدا کے احکام کی پابندیوں کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ خاصکر زکوٰۃ ادا کرنا اور جہاد پر جانا اُن کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ اِس لیے ہر وقت اسلامی پابندیوں سے پیچھا چھڑانے کی فکر میں رہتے تھے۔ اُن کی دلچسپی صرف اُن کے اونٹ، بھیڑ، بکریوں، زمینوں اور آسائشوں تک محدود تھی۔ وہ کسی ایسے ایمان اور اعتقاد کو قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے جو اُن کی پوری تمدنی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کو اخلاق اور قانون کے ضابطے میں کس دے اور پھر اُن سے جانی، مالی قربانی دینے کا بھی مطالبہ کرے۔

اِسی لیے وہ بالآخر منافقانہ روِش پر آگئے اور بالکل معاشی حیوان کی طرح دن رات روزی اور مال کمانے کے چکر میں پڑے رہتے۔ ★..... (تفہیم)

اِسی لیے اگر اُنھیں خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرنا پڑتا تھا تو بڑی کراہت کے ساتھ خرچ کرتے تھے جیسے کوئی جُرمانہ ادا کر رہا ہو۔ وہ اِس بات کے انتظار میں رہتے تھے کہ مسلمان مصیبتوں میں پھنسیں تو وہ خوب خوشی کے شادیانے بجائیں۔

★..... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۠ ٩٩ ع ٢

(۹۹) اور انہی صحرائی بدوؤں اور دیہاتی عربوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن کو دل سے مانتے ہیں، اور جو کچھ بھی خیر خیرات کرتے ہیں اُسے اللہ کی قُربت کا اور رسولؐ سے رحمت بھری دُعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! بیشک وہ خیرات ضرور اُن کے لیے خدا سے قُربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ تو اللہ اُنھیں ضرور عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ اللہ بہت ہی معاف کرنے والا (اور) مسلسل بے حد رحم کرنے والا ہے۔

صحرائی بدوؤں کی تعریف بزبانِ خداوندی

لہ خدا کے قُرب سے مراد خدا کی رضامندی سے قریب ہونا ہوتا ہے۔ یہی مومن کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ یہی بندگی کا حاصل ہے۔ کیونکہ بندگی کے معنی ہی یہ ہیں کہ بندہ اپنے مالک کی خوشی کے لیے جیئے اور مرے۔ یہ مقصد رسولِ اکرمؐ کی دعاؤں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور رسولِ اکرمؐ کی دعائیں صاحبانِ ایمان اور خیر خیرات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں۔ *..... (ماجدی)

* قرآن کا اعجاز دیکھیے کہ وہ دیہاتی اَعراب جو نہایت سنگدل اور شعلہ مزاج تھے اور کسی طرح اِس لائق نہ تھے کہ خدا کے سکھائے ہوئے ادب کو سیکھ سکیں، قرآن نے اُن کو ایسا عارف اور مخلص ایماندار بنا دیا کہ اب وہ خدا کی راہ میں صرف قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے خرچ کرنے لگے اور اس لیے کہ رسولؐ اُن کو دعائیں دیں وہ خیرات کرنے لگے۔ خدا نے اُن کو بشارت دی کہ بیشک اُن کی اُمیدیں پوری ہوں گی۔ خدا ضرور اُن کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ رہی پیغمبرؐ کی دعا، تو وہ اپنے کانوں سے سُن رہے ہیں کہ جب کوئی صدقہ وغیرہ لیکر حاضر ہوتا ہے تو حضورؐ اُس کو دعائیں دیتے ہیں جس کا نتیجہ بھی خدا کی رحمت اور انعام ہوگا۔

*...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۱۰۰)

وہ مہاجر و انصار جو شروع شروع میں اوروں سے آگے بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کرنے میں اوّل رہے[1] اور وہ لوگ بھی کہ جو نیک کاموں میں اُن کے پیچھے پیچھے چلے، تو اللہ بھی اُن سے خوش ہوا، اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔ اُن کے لیے تو اللہ نے ایسے ایسے سرسبز و شاداب گھنے باغات تیّار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے بہت ہی بڑی عظیم الشّان کامیابی۔

اسلام میں سبقت کرنے والوں کا مقام

[1] شروع شروع میں اوروں سے آگے بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کرنے والوں سے اوّلین مراد حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عمّارؓ یاسر ہیں۔ اِن کے علاوہ ہر وہ شخص بھی مراد ہے جس نے خدا اور اُس کے رسولؐ کی دل سے تصدیق کی اور حضرت علیؑ کی ولایت کو دل سے مانا اور اُس پر قائم بھی رہا۔ ★ ...... (تفسیر صافی ص۲۰۵ بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا: "مہاجر کا لفظ اُس وقت تک کسی پر درست نہ ہو گا جب تک وہ زمین پر حجّتِ خدا کو پہچانتا نہ ہو گا۔ جس نے حجّتِ خدا (یعنی اپنے وقت کے امامؑ) کو پہچانا وہی مہاجر ہے۔" ★ ...... (تفسیر صافی ص۲۱۵، بحوالہ نہج البلاغہ)

اِس لیے کہ جب تک خدا کے مقرّر کیے ہوئے امامؑ کو انسان نہیں پہچانے گا وہ خدا کی طرف ہجرت کر ہی نہیں سکے گا۔ ★ ...... (مؤلف)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "جنابِ رسولِ خداؐ کا ارشاد ہے کہ: خدا نے مہاجرین کا ذکر سب سے پہلے اس لیے فرمایا کہ مہاجرین ہی نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت کو قبول کیا تھا۔ اُن کے بعد دوسرے نمبر پر انصار نے

www.drhasanrizvi.org

اسلام قبول کیا، اس لیے اُن کا ذکر بعد میں آیا۔ پھر تیسرے درجے پر نیک کاموں کی پیروی کرنے والوں کا ذکر آیا۔
غرض خدا نے ہر گروہ کو اُن کے درجوں اور منزلوں پر رکھا۔ * .... (تفسیر صافی ص ۲۱۵ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

سب سے اعلیٰ درجہ اسلام میں سبقت کرنے والوں کا ہے۔ مگر سبقت یعنی پہل کرنے کے بھی کئی درجے ہیں۔
سب سے پہلے سبقت کرنے والے سب سے افضل ہوں گے۔ تاریخ میں سب سے پہلا نام حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا ہے۔ کیونکہ آپؑ فرماتے ہیں کہ "جب پہلی وحی غارِ حرا میں اُتری تو میں نورِ وحی کو دیکھ رہا تھا اور رسالت کی خوشبو کو سونگھ رہا تھا۔" (اَرٰی نُوْرَ الْوَحْیِ وَاَشَمُّ رِیْحَ الرِّسَالَۃِ) *..... (نہج البلاغہ)

آپ کے بعد حضرت خدیجہؑ کا نام آتا ہے۔ اس لیے کہ غارِ حرا سے اُتر کر حضورؐ سیدھے بیت الشرف تشریف لائے اور پہلی وحی کے اُترنے کا پورا واقعہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؑ کو سنایا، جس پر حضرت خدیجہؑ نے عرض کیا: "بے شک آپؐ خدا کے رسولؐ ہیں۔" * ...... (متفقہ تاریخی بیان) ..... اس کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جنھوں نے دوسرے سال اسلام قبول کیا۔ پھر تیسرے سال اسلام قبول کرنے والوں کے نام آتے ہیں۔

* غرض ہجرت سے پہلے اسلام لانے والوں کو "اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" کہا جاتا ہے۔ اُن میں وہ انصار بھی شامل ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ میں اسلام لائے اور اُنھوں نے چھپ چھپا کر عقبہ کے مقام پر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

* البتہ بعض مفسرین سبقت فی الاسلام کا حساب جنگِ بدر سے لگاتے ہیں۔ مثلاً شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا کہ: "جنگِ بدر تک جو مسلمان ہوئے وہ آگے بڑھ جانے والے ہیں اور باقی اُن کے تابع ہیں" * (موضح القرآن)

* بعض مفسرین اس کو بیعتِ رضوان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں جو حدیبیہ میں ہوئی تھی۔ * (تفسیر تبیان)

* اور بعض تمام صحابہ کرام کو آگے بڑھ جانے والا قرار دیتے ہیں۔ * .... (تفسیر جلالین)

(اہم نوٹ) بہرحال اسلام قبول کرنے میں آگے بڑھ جانے والے کوئی بھی ہوں مگر اس کا ہرگز ہرگز مطلب نہیں ہوسکتا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کا کوئی بھی عمل ہو، وہ اچھا ہی ہوگا۔ اسلام قبول کرنا اور بات ہے اور اُس پر عمل کرنا اور بات ہے۔ انجام کا دارومدار عمل پر ہوتا ہے اور ابتدائی زندگی سے زیادہ آخری زندگی کے حالات پر انجام کا دارومدار

ہوتا ہے۔ ٭...... (فصل الخطاب)

اِس لیے کہ کسی بھی تحریک میں پہل پہل شامل ہونے والے بھی ضروری نہیں کہ تحریک کے مخلص ہی ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ ذاتی اغراض کی بنا پر کسی تحریک میں شامل ہو گئے ہوں یا بعد میں اُن کی نیّت خراب ہو گئی ہو اور وہ تحریک کے مقاصد کے بجائے اپنے ذاتی مقاصد کو ترجیح دینے لگیں۔ تجربے گواہ ہیں کہ ایسا اکثر ہوتا آیا ہے۔ بقولِ شاعر

ع "اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"۔۔ خود حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "بہت سے لوگ میری حدیثیں جھوٹی گھڑ گھڑ کر بیان کر رہے ہیں، وہ لوگ جہنّم میں اپنا گھر بنا رہے ہیں۔" ٭ (متفق علیہ حدیث)

نتائج و تعلیمات

(۱) خدا کی مشیّت اور توفیق کے بغیر کوئی دل سے خدا اور رسولؐ کو نہیں مان سکتا۔ (۲) مگر خدا کی توفیق اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو خدا کی دلیلوں، نشانیوں اور آیتوں پر غور و فکر کرتے ہیں یعنی عقل و فہم سے کام لیتے ہیں۔ (۳) اور جو لوگ عقل سے کام لینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے خدا اُن کو کفر و شرک، گناہ اور ظلم کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔ (۴) انسان کی صلاح و فلاح کا دارو مدار عقل کو ابدی حقائق کے سمجھنے کے لیے استعمال کرنے پر ہے۔ ٭...... (ثمانی)

(۵) محققین نے نتیجہ نکالا کہ نیکی میں پہل کرنے والے کو بعد والے پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے کہ پہل کرنے والا اُس نیکی کی دوسروں کو دعوت بھی دیتا ہے اور دوسرے اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ اِس لیے پہل کرنے والا بعد والوں کی نیکیوں کا ثواب بھی پاتا ہے۔

(۶) عارفین نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا کہ: بندے خدا کی رضا کے حصول کے معاملے میں تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) دل مانے یا نہ مانے مگر خدا کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ یہ مبتدی ہیں۔ (۲) دوسرے درجے میں وہ خدا کے حکم کو ماننے میں لذّت محسوس کرتے ہیں کیونکہ اُن کو خدا سے اور خدا والوں سے محبّت ہوتی ہے۔ پھر وہ نفس کی خواہشات کی طرف التفات ہی نہیں کرتے۔ یہ متوسّطین کا مقام ہے۔ (۳) اور تیسری منزل وہ مقام ہے کہ جب کائنات کا ہر فعل خدا کے حکم و منشا کے تحت دکھائی دیتا ہے۔ اسباب کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اس لئے بندہ ہر فعل پر راضی ہو جاتا ہے۔ یہ کاملین کا مقام ہے اسی مقام کو رضا کہتے ہیں جس سے بلند کوئی مقام نہیں۔ ٭...... (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ ١٠١

(۱۰۱) اور تمہارے اِرد گرد جو صحرائی اور دیہاتی عرب رہتے ہیں، اُن میں بہت سے منافق ہیں۔ اور اِسی طرح خود مدینے کے رہنے والوں میں بھی منافقین موجود ہیں جو سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ آپؐ اُنھیں نہیں جانتے مگر ہم اُن کو (دو) ۲ دو دفعہ سزا دیں گے [۱] پھر وہ بہت ہی بڑی سزا کیلئے پلٹائے بھی جائیں گے۔ [۲]

---

[۱] : دوگنی سزا: خدا کا فرمانا کہ: "۲ دو دفعہ سزا دیں گے" اِس کے معنی دو قسم کی سزا کے بھی ہوسکتے ہیں۔ یعنی منافقین مسلمانوں میں ذلیل بھی ہوں گے اور اپنی اولاد اور مال کی آفتیں بھی بھگتیں گے۔

* .... (فتح الرحمٰن)

★ یا تکلیف پر تکلیف دیکھیں گے یعنی بار بار سزا پائیں گے۔

* .... (موضح القرآن)

★ عربی میں ۲ دو کا عدد صرف تکرار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

* ...... (فصل الخطاب)

★ اور ۲ دو کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔

* .... (تفسیر تبیان)

★ دوہری یا دوگنی سزا سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: (۱) وہ ایمان اور اخلاص کے بجائے منافقت اور غداری کے دلدل میں پھنسے رہیں گے۔

(۲) دوسری سزا یہ ملے گی کہ اسلام کی ترقی دیکھ دیکھ کر جل جل مریں گے۔

* .... (تفہیم)

[۲] مگر یہ تمام سزائیں قیامت سے پہلے ہی دی جائیں گی۔ اِس لیے کہ آخری سزا قیامت میں الگ ملے گی جس کو عذابِ عظیم "بہت ہی بڑی سزا" کہا گیا۔

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ : (نفاق پر بہت سخت) "مردوا" مادّہ ہے مرد (بروزن سرد) اِس کا مطلب ہے مطلق طغیان، سرکشی، بے یگانگی۔ اصل میں یہ برہنگی اور تجرد کے معنی میں آیا ہے۔

(مفردات امام راغب)

www.drhasanrizvi.org

بہر حال یہ منافقین حق و حقیقت سے اس قدر عاری اور اپنے کام میں اتنے ماہر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو سچے مسلمانوں میں اِس طرح سے شامل رکھتے ہیں کہ کسی کو اُن کے منافق ہونے کا پتہ نہیں۔ داخلی اور خارجی منافقین کے بارے میں تعبیر کا یہ فرق جو زیرِ نظر آیت میں دکھائی دیتا ہے گویا اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ داخلی منافق اپنے کام میں زیادہ ماہر ہیں۔ لہٰذا وہ طبعاً زیادہ خطرناک ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن پر کڑی نظر رکھیں۔ اگرچہ خارجی منافقین سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اِسی لیے اِس کے بعد بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے کہ لَا تَعۡلَمُهُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ تم انھیں نہیں پہچانتے لیکن ہم انھیں خوب پہچانتے ہیں۔

*...... (تفسیر نمونہ ص۱۰۱)

منافقین کی سزا

* وہ لوگ جو زبان سے مومن اور دل سے کافر تھے اُن کو منافقین کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس آیتِ مجیدہ میں اُنہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اِس قسم کے لوگ دیہاتوں میں بھی تھے اور شہرِ مدینہ میں بھی تھے جیسے کہ آیت میں ہے۔ ان کو دُو دفعہ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ ایک دُنیا میں رُسوائی و ذلّت کا، اور دوسرا قبر میں، اور پھر تیسرا عذاب دائمی ہوگا جو بڑا عذاب ہوگا۔

*....... (تفسیر انوار النجف ص۱۲۵)

آیت کا آخری مطلب

اِس آیت کا آخری مطلب یہ ہے کہ: سوچنے سمجھنے، غور کرنے والوں کے لیے آسمان و زمین میں خدا کی قدرت، حکمت، عظمت، رحمت اور توحید و تفرید کی کیا کیا کچھ نشانیاں موجود ہیں لیکن جو شخص کسی بات پر غور کرنا ہی نہ چاہے اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا بقول شاعر ؎

پتّہ پتّہ، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اِس لیے اب جب تم عقل استعمال کرنے کو تیار ہی نہیں ہو، تو پھر بس اب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم تم دونوں ملکر اُس وقت کا انتظار کریں، جب خدا سچّے اور جھوٹے کا فیصلہ سنا دے۔

*...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (١٠٢) خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ١٠٢

اور دوسرے کچھ لوگ ہیں جنھیں اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔ اُنھوں نے اچھے اور بُرے کام مِلا جُلا کر کیے ہیں۔ دور نہیں کہ خدا اُن پر اپنی رحمت کے ساتھ توجہ فرماتے ہوئے اُنھیں معاف کر دے۔ (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحیم ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: "خدا نے جہاں جہاں لفظ "عسیٰ" یعنی "دُور نہیں" فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ضرور ایسا کریگا۔ (یعنی لفظ "عسیٰ" وجوب کے معنی رکھتا ہے)۔ نیز یہ کہ یہ آیت ہمارے دوستوں اور پیروکاروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔" ..... (تفسیر عیاشی) (یعنی اس آیت کے اوّلین مصداق محبانِ آلِ محمدؐ ہیں)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا "جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ باوجود ایمان کے وہ ایسے گناہ کرتے ہیں کہ مومن اُسے بُرا جانتے ہیں۔" .... (تفسیر صافی بحوالہ کافی)

توبہ کا طریقہ تفسیر مجمع البیان میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ انصار میں تین آدمی جو غزوۂ تبوک میں جناب رسالت مآبؐ کی ہمرکابی میں نہ گئے تھے۔ جب اُن کو پتہ چلا کہ اُن کے بارے میں سخت ترین آیتیں اُتری ہیں تو اُنھوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب حضورِ اکرمؐ واپس آئے اور اُن کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا گیا کہ اُنھوں نے بطورِ سزا کے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے اور سوائے حضورِ اکرمؐ اُن کو کوئی نہیں کھول سکتا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اُن کو کھولنے کی جرأت نہیں کرتا جب تک کہ حکمِ خدا نہ ہو۔ پس یہ آیت اُتری۔

آپؐ نے اُن کو کھول دیا۔ پس وہ اپنے مال اُٹھا لائے اور کہنے لگے کہ انہی مالوں نے ہمیں آپؐ کے پیچھے رہ جانے کے لیے مجبور کیا تھا۔ لہٰذا اِن کو صدقہ کر دیجیے۔ پس آپؐ وحی کے منتظر رہے اور آیت اُتری کہ سارا مال

www.drhasanrizvi.org

نہ لیجیے، بلکہ ان کے اموال میں سے کچھ لے لیجیے۔"

اور آیت میں مِنْ تبعیض کے لیے، اور یہ صدقہ اُن کے لیے کفّارہ گناہ کے طور پر تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ آیت عام وجوبِ زکوٰۃ کے حکم کے لیے ہو، کہ مومنوں سے زکوٰۃ وصول کرو جو اُن کی روحانی طہارت کے لیے ہے کہ صفتِ بخل سے اُن کے قلوب پاک ہوں گے اور اُن کے مالوں کے تزکیہ کے لیے ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی برکت سے اُن کا مال بڑھے گا اور رزق میں وسعت ہوگی۔ اِس آیت مجیدہ میں ابہام تھا جس کو حضورؐ نے اپنے فعل سے رفع فرما دیا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں جنس و نقدی میں واجب ہے اور اُس کا نصاب اِس قدر ہے اور وجوبِ ادا کا وقت فلاں ہے۔
* . . . . (تفسیر انوار النجف صـــ ۱۲۶)

توبہ کی اہمیت خدا کے نزدیک

گذشتہ آیت میں مدینے کے داخلی اور خارجی منافقین کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ اب یہاں ایک گناہگار مسلمان گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے توبہ کی اور اپنے بُرے اعمال کی تلافی کے لیے اقدام کیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ایک اور گروہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا " اُنھوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو آپس میں ملا دیا ہے۔" اِس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ " اُمید ہے کہ خدا اُن کی توبہ قبول کر لے " (اور اپنی رحمت کی طرف پلٹا دے) کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے اور وسیع و عریض رحمت کا مالک ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔)

یہ آیت اُن تمام افراد کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو نیک و بد اعمال کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور پھر اپنے بُرے اعمال پر پشیمان ہوتے ہیں۔ اِسی لیے بعض علماء نے اس آیت کو آیاتِ قرآن میں سے نہایت اُمید بخش آیت کہا ہے۔ * (تفسیر نمونہ ملخص)

محققین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا:

(۱) "گناہگاروں کو توبہ کرتے ہی رہنا چاہیئے اور مایوسی جائز نہیں۔ جب تک بُرائیوں کے ساتھ نیکیوں پر بھی عمل جاری رہے، خدا سے اُمید رکھنا چاہیے کہ وہ توبہ قبول فرمائے گا۔"

(۲) توبہ گناہوں کا علاج ہے۔ * . . . . . . (جصّاص)

www.drhasanrizvi.org

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُ (۱۰۳) هُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝ ۱۰۳

آپؐ اُن کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے لیا کیجیے جس کے ذریعے سے آپؐ اُنھیں پاک کردیجیے۔ اور اُنھیں برکت بھی دیجیے اور اُن کے لیے دعاءِ خیر و رحمت بھی فرمائیے[ا] یقیناً آپؐ کی دعائے خیر و برکت اُن کے لیے باعثِ تسکین و راحت ہوگی۔ (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ اللہ (آپؐ کی دعائیں) سُننے والا اور (آپؐ کے مرتبے کو) خوب جاننے والا ہے۔

صدقے کی اہمیت خدا کی نظر میں

[ا] جب توبہ ہی سے گناہ معاف ہوگئے تو اب صدقے کا کام یہ ہے کہ گناہ کی ظلمت اور نفس پر اثرات کو بالکل ہی ختم کردے تاکہ نفس سے آئندہ گناہ صادر ہونے کا امکان کم سے کم رہ جائے۔ اسی طرح گناہوں سے پاک صاف کرنے کے بعد جو کہا گیا کہ: "انھیں برکت بھی دیجیے" یعنی ان کی صفائیِ نفس میں ترقّی اور زیادتی عطا فرمائیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب انسان خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اس کی نفسانی خواہشوں کا زور ٹوٹتا ہے اور اس طرح اُس کو نیکیوں پر قدرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ * . . . . . (ماجدی)

* اِس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ و صدقات پیغمبرؐ یا امامؑ اور مسلمانوں کے پیشوا وصول کرتے ہیں یا مستحق افراد لیتے ہیں۔ بہرصورت بظاہر اُن سے یہ چیزیں خدا نہیں لیتا۔ لیکن چونکہ پیغمبرؐ اور ہادیانِ برحق کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ (اس لیے کہ وہ خدا کے نمائندے ہیں) تو گویا خدا ہی ان صدقات کو وصول کرتا ہے۔ اسی طرح ضرورت مند بندے جو خدا کی اجازت اور فرمان سے ایسی مدد قبول کرتے ہیں، درحقیقت اُسی کے نمائندے ہیں اس طرح اُن کا ہاتھ بھی خدا ہی کا ہاتھ ہے۔ یہ ایک انتہائی لطیف چیز ہے جو زکوٰۃ کے اِس اسلامی حکم کی عظمت شکوہ کی تصویر کشی کرتی ہے۔ (فصل الخطاب)

سبق . . . . . . اِس عظیم خدائی فریضے کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کو شوق دلانے کے علاوہ اِس طرح

www.drhasanrizvi.org

سے انھیں خبردار کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے میں انتہائی ادب و احترام ملحوظِ نظر رکھیں۔ کیونکہ لینے والا خدا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوتاہ فکری سے یہ تصور کرلیا جائے کہ ضرورت مند شخص کی تحقیر و تذلیل میں کوئی حرج نہیں، یا اُسے اس طرح زکوٰۃ دی جائے کہ اُس کی شخصیت مجروح ہو، بلکہ اس کے برعکس چاہیے کہ یہ انکساری کے ساتھ اپنے ولیِ نعمت کے سامنے ادب کے اظہار کے ساتھ زکوٰۃ (یا صدقات) اُس کے مستحق تک پہنچائی جائے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"ان الصدقة تقع فی ید الله قبل ان تصل الی ید السائل"

.... (مجمع البیان)

(صدقہ بلاشبہ حاجت مند کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچتا ہے۔)

دوسری حدیث میں امام سید الساجدین علیہ السّلام سے منقول ہے:

"ان الصدقة لا تقع فی ید العبد حتّی تقع فی ید الرّب"

.... (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر عیاشی)

(بیشک صدقہ بندے کے ہاتھ میں اُس وقت تک نہیں پہنچتا جبتک کہ پہلے پروردگار کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے۔) پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے پھر بندے کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

.... (تفسیر نمونہ صفحہ ۱۰۶)

صَلِّ عَلَيْهِمْ: "انھیں دعا، دو۔" (یا اُن پر درود بھیجو)

یہ خطاب اگرچہ رسول اللہؐ سے ہے مگر واضح ہے کہ یہ ایک کُلّی اور عمومی حکم ہے۔ (کیونکہ کلی قانون یہ ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ اور دوسروں کے لیے اسلام کے احکام فرق نہیں رکھتے اور احکام کے لحاظ سے پیغمبرؐ کی خصوصیات کو دلیلِ خاص کا ذریعہ ہونا چاہیے) لہٰذا بیت المال کے ذمہ دار اور نگران ہر زمانے میں زکوٰۃ (یا صدقات) دینے والوں کو اللّٰھم صَلِّ علیھم کہہ کر دعا دے سکتے ہیں۔

نتیجہ اس کے علاوہ اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ کچھ متعصب افراد آلِ نبیؐ پر دُرود و صلوٰۃ کو بالکل جائز نہیں سمجھتے۔ یعنی اگر کوئی کہے "اللّٰھُمّ صَلِّ علیٰ علیٍ امیر المومنین یا صَلِّ علیٰ فاطمۃ الزّھراء" تو اُسے ممنوع شمار کرتے ہیں۔ (جو سراسر قرآن کے خلاف ہے)

.... (ملخص از تفسیر نمونہ صفحہ ۱۰۵)

www.drhasanrizvi.org

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقۡبَلُ (۱۰۴) کیا اُنھیں نہیں معلوم کہ اللہ ہی تو ہے
التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَیَاۡخُذُ جو اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے، اور
الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ اُن کی زکوٰۃ (وخیرات) کو بھی لے کر قبول
التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ۝ ۱۰۴ کرلیتا ہے۔ (یہ اس لیے ہے) کہ اللہ بہت
معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے

وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰهُ (۱۰۵) اور آپ فرمادیں کہ عمل کرتے رہو۔ اللہ
عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ بھی تمھارے عمل کو دیکھے گا اور اُس کا
وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ رسولؐ اور ایمان والے بھی دیکھیں گے، اور
وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ بہت جلد تم پلٹائے جاؤ گے، اُس کی طرف
تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ۱۰۵ جو کُھلے اور چُھپے (تمام حالات) کو جانتا ہے۔
پھر وہی تم کو بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔؟

غلط فہمی کا ازالہ (آیت ۱۰۴) آیت کے متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ توبہ قبول کرنا، نہ کرنا، زکوٰۃ لینا، نہ لینا، رسولؐ کا کام ہے۔ اِس لیے رسولِ خداؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ جس کی چاہتے ہیں زکوٰۃ قبول کرلیتے ہیں (معاذ اللہ) جس کی چاہتے ہیں رد کردیتے ہیں۔ اُن کو بتایا جارہا ہے، کہ یہ سب رسولؐ کا کام نہیں ہے۔ پھر تم کیوں رسولِ اکرمؐ پر اعتراضات کی بوچھار کررہے ہو؟ یہ سب خدا کے حکم سے ہورہا ہے۔ صرف رسولؐ کے ہاتھ سے اِس کا اظہار ہورہا ہے۔ ٭...... (فصل الخطاب)

مومنون سے مراد ہم اہلِ بیتؑ ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

"اس آیت میں مومنون" سے مراد ہم ائمہ اہلِ بیتؑ ہیں۔" ٭... (تفسیر صافی ص۲۱۵ بحوالہ کافی)

نیز امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: "ہر صبح تمام بندوں کے اعمال رسولِ خداؐ کی خدمت میں پیش ہوتے

www.drhasanrizvi.org

ہیں اور کوئی مومن یا کافر نہیں مرتا جب تک اُس کے اعمال رسولِ خدا اور امامِ زمانہ کے سامنے پیش نہ ہوں۔" ۔۔۔۔ (الکافی)

مومنین کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیں ۔۔۔۔۔۔ کیونکہ ؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا کہ: "تمہارے تمام اعمال ہر جمعرات کو عصر کے وقت رسولِ خداؐ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس بات پر شرم کرو کہ تمہاری طرف سے کوئی بُرا عمل خدمتِ پیغمبرؐ میں پیش ہو۔" ۔۔۔۔۔۔ (تفسیر بُرہان جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: "تم لوگ کیوں حضرت رسالت مآبؐ کو ناراض کرتے ہو؟ پوچھا گیا کہ حضور! وہ کیسے؟ آپؑ نے فرمایا کہ: "تمہارے اعمال آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں پس وہ حضرت تمہاری بُرائیاں دیکھتے ہیں تو ناراض ہوتے ہیں۔ لہٰذا تم اُن کو ناراض نہ کیا کرو بلکہ خوش کیا کرو۔" (کافی جلد ۱ صفحہ ۱۷۱) بحوالہ انوار النجف صفحہ ۱۲۷)

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی، کہ مولیٰ! میرے اور میرے گھر والوں کے لیے دعا کیجیے۔ آپؑ نے فرمایا: "کیا پہلے میں دعا نہیں کرتا ہوں؟ خدا کی قسم تمہارے اعمال ہر شب و روز میرے پاس پیش کیے جاتے ہیں۔" راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کیا تو آپؑ نے یہی آیت: "وَقُلِ اعْمَلُوا ۔۔۔۔۔ الخ" پڑھی اور فرمایا کہ: "یہاں "مُؤْمِنُوْنَ" سے مراد حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ ہیں اور تمام ائمہ معصومینؑ مراد ہیں۔ ۔۔۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی صراحت موجود ہے اور "عیاشی" سے روایت ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ: "کوئی مومن یا کافر جہاں بھی مرے تو اُس کے قبر میں داخل کرنے سے قبل اُس کے جملہ اعمال حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ اور یکے بعد دیگرے تمام ائمہ طاہرینؑ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔" ۔۔۔۔۔۔ (تفسیر انوار النجف صفحہ ۱۲۷)

(نوٹ) جملہ محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو چاہیے کہ ہر روز اعمال کا جائزہ لیتے رہیں۔ تاکہ بُرے اعمال اُن حضراتؑ کی خدمت میں نہ پہنچیں۔ اُن کو خوش کرنے کے لیے نیک اعمال کے تحفے پیش کرتے رہیں کیونکہ اُن کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔

www.drhasanrizvi.org

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا (۱۰۶) اور کچھ دوسرے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کا
یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف (یا ٹھہرا ہوا)
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ ۱۰۶ ہے۔ یا تو خدا انھیں سزا دے گا یا اُن کی
توبہ کو قبول کرے گا۔ اور اللہ تو سب کچھ جاننے والا اور بہت ہی گہری مصلحتوں اور حکمتوں کے
مطابق بالکل ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والے دو قسم کے لوگ شرمندہ تھے۔؟

یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں اُتری جن کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا ممکن نہ تھا کہ یہ گنہگار مومن ہیں یا منافق؟ اسی لیے خدا نے اُن کا معاملہ ملتوی کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمانوں کو کسی گروہ یا شخص کے بارے میں یقین نہ ہو سکے کہ وہ دوست ہے یا دشمن، تو اُن کے بارے میں فوراً کوئی فیصلہ نہ کریں۔ اُن کے طرزِ عمل کو جانچتے رہیں یہاں تک کہ عقل اور تجربے کی بنیاد پر اُن کو دوست مانیں یا دشمن۔ * . . . . . (تفہیم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت حمزہؑ اور حضرت جعفر طیارؑ کے قاتل ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے اُن کو قتل کیا اور بعد میں وہ مسلمان ہوگئے اور شرک و کفر کو چھوڑ دیا۔ اور یہ تردد اِس اعتبار سے ہے کہ مومنوں کو اِن کے انجام کا پتہ نہیں ہے۔ ورنہ خالق کو تو معلوم ہے کہ اُن کو عذاب دیگا یا معاف کریگا پس جو اُس کی مشیت کا تقاضا ہوگا وہی ہوگا۔ * . . . . . . (تفسیر صافی ۔ بحوالہ تفسیر انوار النجف ۱۳۸)

جو لوگ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پر شرمندہ تھے وہ دو قسم کے تھے۔ کچھ نے تو مسجد کے ستونوں سے خود کو باندھ لیا تھا، یا اپنے لیے کوئی سخت سزا تجویز کر لی تھی۔ اُن کی توبہ قبول ہوگئی اور رسولِ خدا نے خود اپنے ہاتھوں سے اُن کو مسجد کے ستونوں سے کھول کر اُن کے صدقات کو قبول فرمایا۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو اِس قدر شرمندہ تو نہ تھے، مگر اُنھوں نے رسولؐ کی خدمت میں آکر اپنی سُستی اور کاہلی کا اعتراف کر لیا۔ اور منافقوں کی طرح کوئی بہانہ نہ بنایا۔ خدا نے اُن کی ندامت کے سبب سے نہ تو اُن کو بالکل معاف فرمایا اور نہ سزا سنائی۔ غرض اُن کو اُمید اور نا اُمیدی کے درمیان معلق رکھا تاکہ آئندہ وہ کچھ کر کے دکھائیں یہی اُس کی مصلحت کے مطابق ہے۔
* . . . . . . (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا (١٠٧) اور وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے ایک مسجد
ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ بنائی اِس غرض سے کہ (دینِ حق کو) نقصان
الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ پہنچائیں، اللہ کے احسانات اور نعمات کا انکار
حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ کریں، مومنین میں تفرقہ یا پھوٹ ڈالیں اور
وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ اُس شخص کو موقع دیں جو اس سے پہلے بھی خدا
وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ ١٠٧ اور اُس کے رسولؐ کے خلاف جنگ کر چکا ہے۔
اب وہ ضرور (قسموں پر) قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد تو سوائے بھلائی کے کچھ نہیں۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔

مسجدِ ضرار کا واقعہ

مسجدِ ضرار کا نام "ضِرار" اِس لیے ہوا کہ منافقوں نے یہ مسجد مدینہ کے باہر مسلمانوں کو ضرر و نقصان پہنچانے کے لیے بنائی تھی۔ محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ بدترین آدمی وہ ہوتا ہے کہ جو دین کو اپنی فاسد اغراض کے پورے ہونے کا ذریعہ بنائے۔ ..... * (تفسیر کبیر)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ ضرار بنانے والے انصار کے قبیلۂ بنی غنم بن عوف کے کچھ لوگ تھے۔
* ..... (فصل الخطاب)

"مجمع البیان" میں مروی ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے مسجدِ قبا تعمیر کی اور حضورؐ کو دعوت دی۔ پس آپؐ نے وہاں جا کر نماز پڑھائی۔ یہ دیکھ کر منافقین کی ایک جماعت جو بنی غنم بن عوف تھے، اُن کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی اُنھوں نے مسجدِ قبا کے پہلو میں ایک مسجد بنا ڈالی اور حضورؐ کو اطلاع دی کہ ہم نے بیماروں اور محتاجوں کے لیے اور سخت سردی نیز بارش کے ایام کے لیے اپنے ہاں ایک مسجد بنائی ہے آپؐ تشریف لائیں اور نماز پڑھائیں اور ہمارے حق میں دعا بھی فرمائیں آپؐ نے فرمایا کہ ابھی سفر کو جا رہا ہوں، جب واپس آؤں گا تو انشاء اللہ تمھاری مسجد کو دیکھیں گے۔ پس جب آپؐ غزوۂ تبوک کے سفر سے واپس آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پس آپؐ نے دو آدمی بھیجے کہ اُس مسجد کو گرا کر سامان کو نذرِ آتش کر دیں اور اُسے مزبلہ بنا دیا۔
یہ مسجد ابو عامر راہب کے اشارے پر بنائی گئی تھی جو حضورؐ کے خلاف جنگِ اُحد میں شریک تھا۔
* ..... (انوار النجف ص ١٢٩)

www.drhasanrizvi.org

لَا تَقُمۡ فِيۡهِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ (١٠٨) آپؐ اُس مسجد میں ہرگز بھی کھڑے نہ ہوں۔

عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ اَحَقُّ (البتہ) وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ

اَنۡ تَقُوۡمَ فِيۡهِ ؕ فِيۡهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوۡنَ (پرہیزگاری) پر قائم کی گئی تھی، اس بات کی زیادہ

اَنۡ يَّتَطَهَّرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ مستحق ہے کہ آپؐ اُس میں (عبادت کے لیے)

الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ۝ ١٠٨ کھڑے ہوں۔ (کیونکہ) اُس میں ایسے لوگ ہیں جو

پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تو پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

پاک و پاکیزہ لوگوں کو خدا بہت چاہتا ہے

تفسیر تبیان میں اس آیت کے ذیل میں جناب رسولِ خداؐ سے ایک روایت منقول ہے جس میں ہے کہ آپؐ نے مسجدِ قبا والوں سے دریافت فرمایا:

"ماذا تفعلون فی طهركم فان الله تعالیٰ قد احسن علیکم الثناء"؟

یعنی: تم لوگوں نے اپنے آپ کو پاک کرتے وقت کونسا طریقہ یا عمل انجام دیا ہے کہ خدا نے تمھاری احسن مدح کی ہے

قالوا نغسل اثر الغائط: اُنھوں نے کہا: ہم اپنے فُضلے کے اثر کو پانی سے دھوتے ہیں۔

★ اِس مضمون کی روایات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہیں۔

★ ... (تفسیر تبیان - تفسیر نمونہ) ، (عثمانی)

نتائج و تعلیم:۔

★ محققین نے یہ نتیجہ بھی نکالا کہ ہر وہ مسجد جو جائز طریقے اور جائز مال سے بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت ظاہری اور باطنی کو اپنائے رکھے، اِس خطاب کے تحت اس میں شامل ہے اس لیے کہ حکم صفات پر لگایا گیا ہے، ذات پر نہیں۔

★ دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ صالحین کی صحبت بھی اثر رکھتی ہے۔ اس لیے حصولِ صحبت میں مکان و اخوان کی رعایت ضروری ہے۔ ماہرین کے نزدیک تخم کی تاثیر اور صحبت کا اثر انسانی کردار کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

★ ...... (ماجدی)

ع "صحبتِ صالح ترا صالح کند ؛ صحبتِ طالح ترا طالح کند"

www.drhasanrizvi.org

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۰۹

(۱۰۹) کیا وہ انسان جو اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اُس کی خوشی کی طلب پر رکھے بہتر ہے یا وہ جو اپنی عمارت ایک ایسے گڑھے کے کنارے پر اُٹھائے جو دھنسنے ہی والا ہو۔ اور وہ خود بھی اُسی کے ساتھ جہنم کی آگ میں دھنس جائے ؟ اور خدا ایسے ظالم لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا کر منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی: اگر کوئی معمار دیوار کی پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھدے تو وہ دیوار اگر ثریا تک بلند کی جائے تب بھی ٹیڑھی ہی رہے گی۔ (ہرگز سیدھی نہیں ہوسکتی۔)

جس طرح کسی عمارت کی مضبوطی کا دارومدار اُس کی بنیادوں کی مضبوطی پر ہوتا ہے، اِسی طرح ہماری زندگی کی مضبوطی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ: کیا ہم اپنی زندگی کی بنیاد خوفِ خدا اور احساسِ ذمّے داری کی ٹھوس چٹان پر اُٹھاتے ہیں ؟ یا نہیں۔ اگر ہم خدا سے بے خوفی کی بنیاد پر زندگی بسر کرتے ہیں تو یہ ایک بے بنیاد عمارت ہے، جو کسی بھی دن پوری عمارت کو پورے سرمائے سمیت لے بیٹھے گی۔
(تفہیم) - - - - - *

نتیجہ اور تعلیم :

* اِس آیت میں مومنین اور منافقین کے دو گروہوں کا موازنہ کیا جارہا ہے۔ مومنین تو مسجدِ قبا کی تعمیر خوفِ خدا اور عبادتِ بے ریا پر کرتے نظر آتے ہیں جس میں خدا کی رضا وخوشنودی شامل ہوجاتی ہے اور دوسری طرف گروہِ منافقین اسلام کی بڑھتی ہوئی عزت وغلبے کی وجہ سے حسد وبغض وعناد کی آگ میں جلے مرے جارہے ہیں۔ وہ بھی مسجدِ قبا کے مقابلے پر فساد کی غرض سے مسجدِ ضرار تعمیر کرتے ہیں جسکی مثال اِس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ ایک شخص رضائے حق کیلئے کام کررہا ہے، بہتر ہے یا وہ جو جہنم اپنے لیے تیار کررہا ہے ؟

www.drhasanrizvi.org

لَا يَزَالُ بُنۡيَانُهُمُ الَّذِىۡ بَنَوۡا رِيۡبَةً فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۱۱۰ ع ۱۳

(۱۱۰) یہ عمارت جو اُنھوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں شک وشبہات اور بے یقینی کا خلجان بنی رہے گی، سوا اِس کے اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ تو بہت ہی بڑا جاننے والا، بڑی گہری حکمتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پر بالکل ٹھیک کام کرنے والا ہے۔

مسجد سے مسجد کے خلاف فائدہ اُٹھانے کی کوشش

خلجان سے مراد شکوک وشبہات اور قلبی بے چینی ہے جو پست ذہنیت کا منطقی نتیجہ ہے۔ (شاہ ولی اللہ) --- اس کا انتہائی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، پھر نہ تو انسان ہی رہے اور نہ اُس کا شک یا خلجان۔ . . (تفسیر تبیان)

دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے مراد دائمی حسرت وغم ہے، موت مراد نہیں۔ یعنی اُن کے دلوں میں یہ حسرت باقی رہے گی اور بڑھتی ہی جائے گی اور وہ اسی حالت نفاق میں مریں گے۔ . . * . . . (ماجدی)

کیونکہ مسجدِ ضرار میں جو لوگ جمع ہوں گے وہ منافقین ہی ہوں گے۔ وہ اِسلام کے خلاف ایسی باتیں بناتے رہیں گے کہ وہاں جمع ہونے والوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کے بارے میں شبہات بڑھتے رہیں گے۔ اِس بات کو آیت میں اِس طرح فرمایا گیا کہ " بالآخر اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔" * . . . . (تفسیر تبیان)

نتائج : (۱) محققین نے نتیجہ نکالا کہ "کوئی کارِ خیر بھی اگر پارٹی بندی کی بناء پر کیا جائے گا تو وہ بھی خدا کے غصّہ کا سبب ہوگا۔" * . . . (تفسیر تبیان)

(۲) ایک کافرِ حربی کی اصلاح پھر بھی ممکن ہے، اِس لیے کہ جرأتِ اخلاق کا جوہر بہرحال اُس میں محفوظ رہتا ہے لیکن ایک منافق جو بے حد بزدل، جھوٹا، مکّار اور دنیا پرست حریص ہوتا ہے اُس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی، کیونکہ وہ خدا پرستی کا لبادہ اوڑھ کر دنیا کو دھوکا دیتا ہے۔ اِس لیے کہ اُس کے اندر ایمان اور اخلاص کے جوہر کو نفاق کی دیمک چاٹ چکی ہوتی ہے۔ * - - - - (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (١١١) حقیقتاً اللہ نے مومنین سے اُن کی جان اور
أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ اُن کے مال خرید لیے ہیں، اِس قیمت پر کہ اُن
الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے لیے جنّت ہے۔ وہ (جب) اللہ کی راہ
فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا میں جنگ کرتے ہیں تو قتل بھی کرتے ہیں اور
عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ قتل بھی ہو جاتے ہیں۔ اُن سے یہ وعدہ
وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ (جنّت) اُس (اللہ) کے ذمّے ایک سچّا
مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ (وعدہ) ہے، (جو) توراۃ، انجیل اور قرآن
الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ میں (موجود) ہے اور اللہ سے زیادہ بھلا کون
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ ١١١ ہوگا جو اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہو؟ تو خوش
ہو جاؤ اپنی اِس فروخت پر جس کا سودا تم نے (خدا سے) کرلیا ہے۔ اور یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

مومنین سے اللہ کی تجارت

خدا کا اپنی ہی مِلک کو دوسرے سے خریدنا اور اُس کی قیمت بھی ادا کرنا، خدا کا انتہائی احسان ہے۔ ★ . . . . . (ابنِ کثیر)

حقیقی معنی میں یہ آیت ائمہ اہلِ بیتؑ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ آیت میں وہ صفات بیان کی گئی ہیں جو اُن کے خمیر میں موجود ہیں کیونکہ وہی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو پہچانتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی بُرائی کا ادراک رکھتے ہیں۔ ★ . . . . . (تفسیر صافی ص۲۱۸ بحوالہ تفسیر قمی)

یہاں تمام مومنین کا ذکر نہیں، بلکہ کچھ کا ذکر ہے۔ نیز یہ ایسے مومنین ہیں جو راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں قتل بھی کرتے ہیں اور سب کے سب قتل بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ بات سوائے جنگِ کربلا کے اور کہیں نہیں ملتی ایسے اِس آیت کے مکمل مصداق امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھی ہیں۔ نیز یہ کہ اِس آیت میں ہے کہ اُن کا

www.drhasanrizvi.org

ذکر تورات وانجیل میں ہے۔ تو، تورات کی کتاب میاہ نبی کا نوحہ، باب ۴- میں ہے کہ: "شیر خوار اصغر کی زبان پیاس کے مارے تالو سے چمٹ جائے گی۔ وہ روٹی مانگے گا، مگر کوئی بھی اُس کے لیے نہ توڑے گا۔"
(تورات باب ۴ آیت ۴)

پیغام و تعلیم:

★ حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السلام نے فرمایا: "تمھاری جانوں کی قیمت جنت معیّن ہوچکی ہے۔ اِس لئے تمھاری قیمت جنّت کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتی۔ اِس لیے جنّت سے کم قیمت پر اپنی جانوں کو مت بیچ دینا۔"
(نہج البلاغہ)

★ ملا محسن فیض تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقام پر جن مومنین کے نفسوں کی خرید کا ذکر ہے اور جن کے صفات بیان کیے گئے ہیں وہ ائمہ اہلبیتِ رسولؐ ہیں۔ قولِ معصومؑ ہے کہ: "قال نزلت الآیت فی الائمۃ لانہ وصفھم بصفۃ لاتجوز فی غیرھم" (تفسیر صافی ص۲۰)

یعنی: معصومؑ فرماتے ہیں کہ: "یہ آیت ائمۂ اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ جو صفات اس مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ وہ ان حضرات کے علاوہ کسی میں (مکمل طور پر) نہیں پائے جاتے۔"

★ حضرت علیؑ کی وہ ہستی ہے جس نے اپنا نفس بیچا (اور مرضیٔ خدا کو خریدا) فکان اول من شریٰ نفسہ
(مواہب لدنیہ جلد ۱ ص۶۰)

★ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب نے بھی اپنے نفسوں کو خدا کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔
(شفاء الصدر۔ شرح زیارت عاشورا ص۱۰ طبع بمبئی)

★ غرض یہ کوئی خدا کا حکم نہیں ہے کہ مومنین اپنی جانیں خدا کے ہاتھ بیچ دیں۔ بلکہ یہ آیت حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ خود ایمان کی زندگی اختیار کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیے۔
(فصل الخطاب)

نتائج:

(۱) ایمان محض ایک مابعد الطبیعاتی عقیدہ ہی نہیں، بلکہ ایمان حقیقتاً خدا سے ایک معاہدہ کرنا ہے کہ جس کی رو سے مومن اپنی جان و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اُس کا معاوضہ جنّت قبول کر لیتا ہے۔

(۲) مومن اپنی جان و مال کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھتا، بلکہ خدا کی امانت سمجھتا ہے اور خود مختار مالک سمجھنے کے بجائے ایک امین کی حیثیت سے اپنی جان و مال کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ ایمان حقیقتاً اسی خرید و فروخت کا نام ہے۔ اور اسی خرید و فروخت سے انکار کا نام کفر و نفاق ہے۔ (۳) مومن ہر معاملہ میں خدا کی مرضی کا تابع بن کر رہتا ہے۔
(تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ١١٢

(وہ لوگ جو) توبہ کرکے اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، خدا کی بندگی بجالانے والے، خدا کی تعریفوں کے گُن گانے والے، روزوں میں عمر بسر کرنے والے، خدا کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے ہیں، جو اچھائیوں کی ترغیب، اور بُرائیوں سے روکنے والے ہیں، اور خدا کے قوانین کی پابندی کرنے والے ہیں.... (ایسے) مومنین کو خوشخبری سنادو۔

آیت میں مومنین کے مزید اوصاف بیان کیے جارہے ہیں

اس آیت نے پچھلی آیت کی یہ تشریح کردی کہ جہاد کے لیے قرآنی معیار یہ ہے کہ پاک وپاکیزہ افراد اس کی سرپرستی فرمائیں ہم جو قسم کے دنیا طلب ظالم لوگوں کا خدا کے نام پر جنگیں لڑوانا، اور ملکوں کو فتح کرنا جہاد نہیں۔ اسی لیے فقہ جعفری میں وہ جہاد جو دفاعی نوعیت کا نہ ہو، صرف معصومؑ کی سرکردگی ہی میں انجام پاسکتا ہے۔

اَلسَّآئِحُوْنَ کے معنی روزوں میں عمر بسر کرنا بھی ہے۔ اِس کی تائید میں حدیث ہے: فرمایا: "میری اُمّت کی سیاحت روزہ رکھنا بھی ہے۔" (اَلسَّآئِحُوْنَ الصَّآئِمُوْنَ) ★... (تبیان، جلالین بقول ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، سعید ابن جبیرؓ، الحسن و مجاہد)

نیز "اَلسَّآئِحُوْنَ" کے دوسرے معنی "خدا کی راہ میں سفر کرنے والے" کے ہیں۔ (سفر در راہِ خدا کنندگان) ★.... (شاہ رفیع الدین ۔ شاہ ولی اللہ)

جہاد کی شرطِ اوّل

حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے ایک شخص نے حج کے دوران پوچھا کہ آپؑ نے جہاد کو چھوڑ کر حج کا سفر کیوں اختیار فرمایا؟ آپؑ نے فرمایا: "جن لوگوں کی صفات اِس آیت میں بیان کی گئی ہیں، اگر ایسے صفات کے حامل لوگ جہاد کریں، تو اُن کے ساتھ جہاد کرنا، حج کرنے سے افضل ہے۔" ★...... (تفسیر علی بن ابراہیم)

اَلسَّآئِحُوْنَ کے معنی "طلبِ علم" کے بھی ہیں، کہ وہ طالبِ علم جو علم کی طلب میں اپنا وطن، کُنبہ، گھربار، راحت وآرام، کو خیرباد کہکر سفر کرتے ہیں۔ اِسی طرح روحانی، عقلانی اور فکری بلندیوں کے مدارج کا سفر کرتے ہیں۔ ★.... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ ۱۱۳

(۱۱۳) نبیؐ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، یہ حق نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کی معافی کے لیے دُعا کریں۔ چاہے وہ اُن کے عزیز رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ وہ پوری طرح سے جان بھی چکے ہیں کہ وہ جہنّم کے مستحق ہیں۔

مشرکین معافی کے مستحق نہیں

قرآن مجید میں اکثر دوسروں کی تنبیہ اسی طرح سے کی گئی ہے کہ بظاہر رسولؐ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت کا لطیف اندازِ بیان ہے۔ یہاں تو واضح طور پر رسولؐ کے ساتھ ساتھ ایمان لانے والوں کا بھی ذکر ہے۔ تو گویا صرف اصولِ وحدت کو نمایاں کرنے کے لیے رسولؐ کا ذکر کیا گیا ہے، نیز اِس طرح یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شرک کرنا کتنا بڑا جرم ہے کہ رسولؐ کو بھی اُن کے لیے معافی مانگنے سے روک دیا گیا' جو عالمین کے لیے رحمت ہیں۔

خدا کا یہ فرمانا کہ "چاہے وہ اُن کے عزیز رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں" بتاتا ہے کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی خونی رشتہ یا صرف نسبت نجات کے لیے کافی نہیں۔ ٭ ...... (ماجدی)

کسی کے لیے خدا سے معافی کی درخواست کرنے کا مطلب اُس آدمی سے محبّت کا اظہار بھی ہے اور یہ احساس بھی کہ ہم بہر حال اُس کے جُرم کو قابلِ معافی سمجھتے ہیں۔ یعنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص گنہگار ہے' خدا کا باغی نہیں ہے۔ لیکن جو شخص خدا کا کھلم کھلا باغی ہو' اُس سے نہ تو محبّت رکھنا وفاداری کے خلاف ہے، بلکہ اُس کو قابلِ معافی سمجھنا بھی عقل کے خلاف ہے۔ اِس سے تو خود ہماری اپنی وفاداری مشکوک ہو جاتی ہے (اسی کو اصطلاح میں تبرا کہتے ہیں)

مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ خدا کے باغیوں کے ساتھ دین کے معاملے میں ہمدردی نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں تک عام انسانی ہمدردی کا تعلق ہے، وہ ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ قابلِ تعریف ہے۔ اُن کے دنیوی حقوق ضرور ادا کیے جائیں۔ کوئی کافر، مشرک، منافق اگر بھوکا ہو یا بیمار ہو تو اُس کے ساتھ لازمی طور پر ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔

٭.... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ (۱۱۴) لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ ۱۱۴

اور ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ (مراد چچا) کے لیے خدا سے معافی کی دُعا، مانگی تھی وہ تو صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھی، جو اُنھوں نے اپنے باپ (چچا) سے کرلیا تھا۔ مگر جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ تو اللہ کا دشمن ہے، تو اُنھوں نے اُس سے تبرّا (اظہارِ بیزاری) کرلیا۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ ابراہیمؑ بہت ہی برداشت کرنے والے بُردبار انسان تھے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ (چچا) کیلئے دعا کی

آیت کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے چچا آزر سے وعدہ کیا ہوگا کہ وہ اُن کے لیے خدا سے معافی طلب کریں گے تو حضرت ابراہیمؑ نے یہ محسوس کیا تھا کہ آزر میں ایمان لانے کا رُجحان موجود ہے۔ جناب شیخ طوسیؒ نے تو یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے مشروط وعدہ کیا تھا کہ "اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میں تمھارے لیے خدا سے معافی کی درخواست کروں گا۔" اس پر آزر نے ایمان کا اظہار کردیا تھا۔ اِسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اُن کے لیے خدا سے معافی کی دعا، کردی۔ مگر بعد میں ثابت ہوا کہ آزر کا اظہارِ ایمان صرف نمائشی تھا۔ اِس لیے حضرت ابراہیمؑ نے اُن پر تبرّا کیا۔ * (تفسیر تبیان، مجمع البیان وغیرہ)

خود حضرت ابراہیمؑ کی دعا، سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اِن الفاظ میں دعا، کی تھی: "میرے باپ (چچا) کو بخش دے کہ وہ (پہلے) گمراہوں میں سے تھا۔" یعنی وہ پہلے گمراہ تھا اور اب سیدھے راستے پر آگیا ہے، اِسلیے اُس کو بخش دے کہ اب وہ گمراہوں میں سے نہیں رہا۔ مگر جب بعد میں حضرت ابراہیمؑ کو پتہ چلا کہ وہ تو ابھی تک گمراہوں میں سے ہے، تو پھر اُنھوں نے اپنی اُس معافی کی دعا، سے برأت کرلی اور آزر پر تبرّا کیا۔ *...... (فصل الخطاب)

حضرت ابراہیمؑ کے لیے خدا نے "اَوَّاہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی بہت آہیں بھرنے والا، رونے والا، ڈرنے والا، اور افسوس کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ اور حلیم اُس کو کہتے ہیں جو اپنے مزاج پر قابو رکھتا ہے اور غصّے یا دشمنی میں آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ غرض ہر حال میں حدِّ اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا۔

www.drhasanrizvi.org

کیونکہ حضرت ابراہیمؑ "حلیم" تھے، اِس لیے اُنھوں نے اپنے چچا آزر کے لیے دعائے مغفرت کی۔ حالانکہ اُنھوں نے حضرت ابراہیمؑ پر اُن کی تبلیغ کی وجہ سے بہت زیادتیاں کی تھیں۔ مگر جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دیکھا کہ آزر خدا کا دشمن ہے تو اُنھوں نے آزر پر تبرّا کیا کیونکہ وہ محبت اور نفرت کے معاملے میں حد سے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ * ...... (تفہیم)

اِس آیت کے الفاظ واضح طور پر بتارہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آزر کے اندر ایمان کے لیے کچھ آمادگی یا رُجحان دیکھا تو وعدہ فرمالیا کہ اگر تم ایمان کی زندگی اختیار کرلوگے تو میں خدا سے تمھارے لیے معافی طلب کروں گا۔ مگر بعد میں اُنھیں معلوم ہوا کہ آزر کا ایمان صرف نمائشی تھا۔ اِسی لیے خدا نے ارشاد فرمایا کہ "جب اُن پر ثابت ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ نے جس وقت وعدۂ استغفار کیا تھا اُس وقت اُن پر اپنے چچا کا مشرک ہونا ثابت نہ تھا۔ اِسی لیے دعاء بھی یوں کی تھی کہ:

"میرے باپ (مراد چچا) کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے تھا"۔ یعنی اب گمراہوں میں سے نہیں ہے، پہلے تھا۔ لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ وہ تو اَب بھی گمراہوں میں سے ہے۔ * ..... (ماجدی)

تعلیم: محققین نے نتیجہ نکالا کہ کسی کی زندگی میں اُس کے لیے طلبِ مغفرت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے حق میں طلبِ ہدایت کی جائے۔ اور "اللہ سے دشمنی" سے مراد اللہ کے دین اور اولیاءِ خدا سے دشمنی ہے۔ کیونکہ خدا سے براہِ راست کوئی انسان دشمنی نہیں کرتا۔ * ..... (تھانوی)

"عَنْ مَّوْعِدَةٍ -" بروایت صافی، عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اُن کے چچا آزر نے وعدہ کیا تھا کہ میں اسلام لاؤں گا۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے اُس کے حق میں دعاء کی۔ اور جب اُنھیں پتہ چلا کہ یہ دشمنِ خدا ہے تو اُس سے بیزاری اختیار کرلی۔ اور چچا کو مجازاً "اَب" کہا جاتا ہے۔ اِسی بناء پر آیتِ مجیدہ میں چچا پر "اَب" کا اطلاق ہوا ہے۔

* ..... (از تفسیر انوار النجف ص ۱۳۲)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ۱۱۵

(۱۱۵) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت دینے کے بعد پھر گمراہی میں چھوڑ دے، جبتک کہ اُنھیں صاف صاف واضح طور پر یہ بتا نہ دے کہ اُنھیں کن کن بُرائیوں سے بچنا چاہیے۔ (کیونکہ) حقیقتًا خدا ہر چیز کا پوری طرح جاننے والا ہے۔

اللہ ہدایت دیتا ہے گمراہ نہیں کرتا

اِس آیت سے فقہاء نے اصولِ فقہ کا اصولِ برأت اخذ کیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ تکلیف بلا بیان کے قبیح ہے۔ اور جب تک کسی چیز کی ممانعت وارد نہ ہو، اُس پر مواخذہ نہیں ہو سکتا۔

اور خدا کا یہاں یہ فرمانا کہ: "اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے"۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو خدا کا گمراہی میں چھوڑ دینا یا گمراہ قرار دینا کوئی اندھا دھند عمل نہیں، بلکہ اس بات کا تعلق اللہ کے علم سے ہے، اللہ کی قدرت سے نہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر کسی کے ارادے اور عمل کو جان کر اُسے گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے اور جس کی نیت اچھی جانتا ہے، اُسے ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (فصل الخطاب)

اللہ کے گمراہی میں ڈالنے (یا گمراہی میں چھوڑنے) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو صحیح طریقۂ فکر و عمل خدا نے بتایا تھا اُس کے خلاف چلنے پر کوئی اصرار کرتا ہے اور کسی طرح سیدھا راستہ چلنا ہی نہیں چاہتا، تو خدا اُس کو زبردستی سیدھے راستے پر نہیں لگاتا۔ پھر جدھر وہ از خود جانے پر اڑا رہتا ہے، اُسی طرف اُس کو جانے دیتا ہے۔ ★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

آخر میں خدا کا یہ فرمانا کہ "اللہ ہر چیز کا اچھی طرح سے جاننے والا ہے"۔ بتاتا ہے کہ خدا کسی کو گمراہی میں اندھا دھند خواہ مخواہ نہیں چھوڑا کرتا، اور نہ اندھا دھند کسی کی ہدایت فرماتا ہے۔ خدا کے ہر کام کا تعلق علمِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ وہ جس کے ارادے جیسے جانتا ہے اُس کے مطابق ہدایت فرماتا ہے یا گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف گمراہی کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بناء پر ہے، ورنہ حقیقتًا اللہ کسی کو کسی حال میں گمراہی کی طرف نہیں لیجاتا۔

★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (قرطبی)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ‌ؕ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ‌ؕ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝ ۱۱۶

(۱۱۶) حقیقتاً آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ وہی زندگی اور موت پر پورا پورا اختیار رکھتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارا کوئی سرپرست یا مددگار نہیں۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِىِّ وَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ ۱۱۷

(۱۱۷) اللہ نے اپنی توجہات کے ذریعے رحمت کی نظر ڈالی ہے نبیؐ پر اور اُن مہاجرین[۱] انصار پر جنھوں نے بڑی تنگی ترشی اور سختی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ٹیڑھے ہونے کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ مگر پھر بھی اللہ نے اُن پر توجہ فرماتے ہوئے اپنی رحمت کی نظر ڈالی۔ (کیونکہ) حقیقتاً اللہ اُن پر بڑی شفقت کرنے والا (اور) بڑا رحم کرنے والا ہے۔

نبیؐ کریم ذریعۂ رحمتِ رحیم

(آیت ۱۱۷) حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "مطلب یہ ہے کہ: "خدا نے نبیؐ کے ذریعے مہاجرین کو توبہ کی توفیق دی یا اُن پر مہربان ہوا۔" *... (تفسیر صافی بحوالہ احتجاج طبرسی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "نبیؐ نے کونسا گناہ کیا تھا جس کی توبہ خدا قبول فرماتا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے اُمت کی توبہ قبول فرمائی۔" *... (احتجاج طبرسی)

[۱] محققین نے آیت کے ان الفاظ سے کہ: "مہاجرین و انصار پر جنھوں نے بڑی تنگی ترشی اور سختی کے وقت نبیؐ کا ساتھ دیا۔" نتیجہ نکالا کہ اللہ نے صرف اُنہی مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی جنھوں نے ہر قسم کی سختی اور جنگ میں رسولؐ کی پیروی کی، اور ہر حال میں اُن کا ساتھ دیا۔ وہ لوگ نہیں جو مصیبت یا جنگ میں رسولؐ کا ساتھ چھوڑ بھاگے۔ *...... (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۠ ۱۱۸

(۱۱۸) اور اُن تینوں کو بھی اللہ نے اپنی خاص توجہات سے نوازا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اور زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہوگئی تھی اور خود اُن کی اپنی جانیں تک اُن پر بار ہونے لگی تھیں[1]۔ پھر اُنھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے سوا خود اُس کے (دامنِ رحمت کے) کوئی اور جگہ نہیں ہے۔ تب اللہ نے اُن پر اپنی مہربانیاں فرمائیں، تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ اپنی رحمتوں کے ساتھ توجّہ فرمانے والا، توبہ قبول فرمانے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تین صحابیوں کی توبہ کا ذکر

ان تین صحابیوں (کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، بلال بن اُمیہ) نے جنگ تبوک کے سفر میں رسولؐ کا ساتھ چھوڑنے کے بعد سچّے دل سے توبہ کی اور خدا نے اُن کی توبہ کو قبول فرما لیا۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا: " اَلتَّائِبُ عَنْ ذَنْبِهٖ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ " (گناہ سے توبہ کرنے والا ویسا ہے جیسے کہ اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو) (الحدیث)۔ (تفسیر کبیر)

[1] اور زمین کا اُن پر تنگ ہونے کے معنی: (۱) خود اپنے سے تنگ آجانا۔ یا (۲) ضمیر کی شدید ترین ملامت سے انتہائی بے چینی کا ہونا۔ یا (۳) ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے کہ وہ لوگ جنگل تک میں ایک دوسرے سے بات تک نہ کرتے تھے۔ ..... (تبیان)

نتیجے: ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے، ایک تیسرے صاحب بدر کے سوا دوسرے غزوات میں برابر شریک رہے تھے۔ یہ سزا ایسے ایسے اکابرین کو مل رہی ہے۔ اسی سے فقہاء نے نتیجہ نکال کر استنباط کیا کہ (۱) دینی مجرم سے ترکِ سلام و کلام بالکل درست ہے"۔ ..... (تفسیر ماجدی)

—— (۲) نیز ثابت ہوا کہ تمام صحابہ عادل یا عدول نہ تھے کیونکہ اُن سے

www.drhasanrizvi.org

غلطیاں ممکن تھیں۔ (۳) اہلِ عرفان نے لکھا کہ خدا کی عادت اپنے دوستوں کے ساتھ یہی ہے کہ جب اُن سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اُن کو پہلے سزا کی تلخی چکھائی جاتی ہے پھر جب وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ غلطی کر رہے ہیں اور شرمندہ ہو کر خدا سے معافی مانگتے ہیں، اپنی اصلاح کر لیتے ہیں، تو اُن پر کرم کی بارش برسائی جاتی ہے، اُن کے قصور معاف کر دیے جاتے ہیں اور اُن کو نیک توفیقات سے نوازا جاتا ہے۔ ★ ★ ★

رسولِ اکرمؐ جب غزوۂ تبوک سے لوٹے تو اسّی (۸۰) سے زیادہ منافق حضورؐ کی خدمت میں معذرت کے لیے آئے اور بہانے بنانے لگے کہ ہم فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر آپؐ کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔ اُن میں تین سچے مومن بھی تھے۔ منافقین تو جھوٹے عذر اور بہانے پیش کرتے رہے مگر اِن تینوں مومنین نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ حضورِ اکرمؐ نے اُن کا فیصلہ ملتوی کر دیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ "جب تک خدا کا حکم نہ آجائے اُن تینوں سے کوئی میل ملاپ نہ رکھے۔" اِسی کے فیصلے کے سلسلے میں یہ آیت اُتری۔ (ماجدی)

نتائج : (۱) کفر و شرک کا ساتھ دینا ہی جرم نہیں، بلکہ اُن کے مقابلے پر سُستی دکھانا بھی زندگی بھر کی عبادت کو غارت کر دیتا ہے۔ (۲) ادائے فرض میں سُستی معمولی جرم نہیں، بلکہ بعض دفعہ یہ سُستی بہت بڑے گناہ کا سبب بن جاتی ہے۔ (۳) اپنے جرم کا اعتراف کرنا اور اُس پر شرمندہ ہونا اور خود کو سزا دینا اور اپنی اصلاح کی کوشش کرنا گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور ایمان کی علامت ہے۔ (۴) خدا سے محبت اور اخلاص بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔ (۵) خدا سے معافی مانگنے والوں کی خدا تعریف کرتا ہے، اور (۶) خدا سے وفاداری پر جمے رہنا خدا کو بیحد پسند ہے۔ ★ .... (تفہیم) ..... (۷) جھوٹے بہانے بنا کر اپنے فرائض کو نہ ادا کرنا منافقت ہے۔ (۸) جب انسان تہِ دل سے شرمندہ ہو کر خدا کی طرف پلٹتا ہے تو خدا بھی بندے کی طرف نظرِ رحمت کے ساتھ پلٹتا ہے۔ (۹) **سچ بولنا گناہوں کی مغفرت کا سبب ہوتا ہے۔** اِسی لیے جن لوگوں کی توبہ قبول ہوئی اُنھوں نے کہا کہ کیونکہ سچ بولنے کی وجہ سے ہمیں نجات ملی ہے، اِس لیے ہم عہد کرتے ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو، ہم آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ سچ کی وجہ سے خدا نے اُن تینوں کو ایمان و اخلاص بخشا، نفاق سے بچایا، توبہ کی توفیق دی، گناہ معاف ہوئے۔

+ ....(عشاق)

www.drhasanrizvi.org

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ (۱۱۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تقویٰ اختیار کرو۔ (برائیوں سے بچو) اور سچوں[1] کے ساتھ رہو۔
وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ۱۱۹

صادقین سے مراد رسولؐ کے بعد آلِ محمدؐ ہیں

[1] صادقین : یعنی سچے : حقیقی معنی ہیں صادقین وہی ہو سکتے ہیں جن سے کسی قسم کا زبانی یا عملی کذب صادر نہ ہو۔ اُن کو اصطلاحاً معصوم کہتے ہیں۔ یعنی جو قول و فعل دونوں میں سچے ہوتے ہیں۔ جناب رسولِ اکرمؐ عرب میں سب سے پہلے "صادق" ہیں۔

اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "صادقین سے مراد ہم آلِ محمدؐ ہیں"۔
* .... (تفسیر صافی ص ۲۱۹ بحوالہ کافی و تفسیر مجمع البیان)

نتائج: محققین نے نتیجہ نکالا کہ: (۱) زمین کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہے گی۔ (۲) مومنین کا وجود قیامت تک باقی رہے گا۔ اس لیے صادقین کا وجود بھی باقی رہنا ضروری ہے۔ (۳) "صادقین" عام لوگوں سے الگ ہیں کیونکہ عام مومنین کو اُن کے ساتھ رہنے (پیروی کرنے) کا حکم دیا جارہا ہے۔ * ..... (القرآن المبین از سیّد امداد حسین کاظمی)

تفسیر برہان کے مصنف نے اہلِ تسنن کے طرق سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ:

"موفق بن احمد نے اپنی اسناد سے ابنِ عباس سے مندرجہ بالا آیت کے ذیل میں اس طرح نقل کیا ہے:

"ھو علیٌّ بن ابی طالبؑ" یعنی: وہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

اور یہی مطلب عبد الرزاق نے کتاب "رموز الکنوز" میں درج کیا ہے۔ * (تفسیر برہان جلد ۲ ص ۱۷۰) (بحوالہ تفسیر نمونہ)

زیادہ اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا کسی غیر معصوم کی پیروی اور نقشِ قدم پر چلنے کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے دیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ خود اس امر پر دلیل نہیں کہ صادقین سے مراد صرف "معصومین" ہیں۔ چنانچہ مفسر فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ:- "خدا نے مومنین کو سچوں کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے لہٰذا آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو لوگ جائز الخطاء ہیں، وہ کسی معصوم کی پیروی کریں تاکہ اس پیروی کے ذریعے خطاء سے محفوظ رہیں اور یہ مفہوم ہر دور کے لیے ہونا چاہیے، اور زمانۂ پیغمبرؐ میں اسے مخصوص کرنے کیلئے کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔
(ملخص۔ بحوالہ تفسیر نمونہ ص ۱۳۹)

www.drhasanrizvi.org

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ
حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن
يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا
يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ
وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا
يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ
عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ
عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ
أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۙ ۱۲۰

(۱۲۰) مدینے کے رہنے والوں اور اُس کے اردگرد
کے صحرائی عربوں کے لیے یہ بات ہرگز ٹھیک نہیں کہ
وہ اللہ کے رسولؐ کا ساتھ چھوڑ کر گھر بیٹھے رہیں
اور اپنی جانوں کو اُن کا ساتھ دینے سے بچائیں۔
اِس لیے کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا کہ کوئی تکلیف پیاس
یا کوئی زحمت یا مشقت یا بھوک کی مصیبت
خدا کی راہ میں اُن کو پہنچے یا کہیں وہ ایسا قدم
اُٹھائیں جو کافروں کیلئے غم وغصہ کا سبب ہو، یا
وہ دشمنوں کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کریں،
مگر یہ کہ اُن میں سے ہر ایک بات کے بدلے ایک
نیک عمل اُن کیلئے نہ لکھا جائے۔ (کیونکہ) یقیناً
اللہ اچھے کام کرنے والوں کی اُجرت برباد نہیں کرتا۔

ابوخثیمہ کا قصہ

اُن لوگوں کا یہ کہنا کہ: "اور نہ یہ کہ ہم اپنی جان کو زیادہ چاہیں، رسولؐ کی جان سے"۔ یعنی رسولؐ تو سفر اور جنگ کی تکلیفیں اُٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ صحابیٔ رسولؐ ابوخثیمہؓ غزوۂ تبوک میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ حضورِ اکرمؐ کے تبوک جانے کے بعد وہ اپنے باغ میں گئے۔ وہاں خوشگوار سایہ تھا، حسین وجمیل بیوی سامنے تھی، تازے کھجور کے خوشوں سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ ٹھنڈا پانی سامنے دھرا تھا۔ یہ سامانِ عیش دیکھ کر دفعتاً ابوخثیمہؓ کے دل میں بجلی کی طرح یہ خیال آیا کہ تُف ہو اِس عیش کی زندگی پر، کہ میں تو خوشگوار زندگی کے مزے لوٹوں، اور خدا کا محبوب پیغمبرؐ سخت تکلیف میں سفر کر رہا ہو۔ فوراً تلوار سنبھالی اور تیز رفتار اونٹنی پر محوِ سفر ہوئے۔ حضورؐ نے دور سے دیکھا تو فرمایا: یہ سوار ابوخثیمہ ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ ابوخثیمہؓ ہی تھے۔

(تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۲۱

(۱۲۱) (اسی طرح) اور وہ تھوڑا یا بہت (راہِ خدا میں) خرچ کریں اور (جہاد کرتے ہوئے) کسی وادی کو پار کریں، مگر یہ کہ اُن کے واسطے اُس عمل کو لکھ نہ لیا جائے، تاکہ اللہ انھیں اُن کے بہترین اعمال کے لحاظ سے صلہ دے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ۧ ۱۲۲

(۱۲۲) اور ایمانداروں کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ (ہر شہر کے) ایک گروہ میں سے کچھ لوگ سفر کریں تاکہ دین کی گہری سمجھ پیدا کرنے کی قابلیت حاصل کریں، اور پھر جب وہ واپس جائیں تو اپنی قوم کو خبردار کریں تاکہ وہ (برائیوں اور غیر ذمہ دارانہ طریقۂ زندگی سے) بچیں۔

علمِ دین حاصل کرنے کا طریقہ

(آیت ۱۲۲) آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر جماعت (یا شہر) سے ایک چھوٹا گروہ جنابِ رسولِ خداؐ کی خدمت میں آئے اور اُن سے دینی علوم اور مسائل سیکھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف واپس جائے اور اُنھیں تعلیم دے۔ (آنحضرتؐ نے فرمایا: "میری اُمت میں اختلاف (حصولِ علم کیلئے سفر) رحمت ہے۔")

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "یہاں "اختلاف" سے مراد ایک شہر سے دوسرے شہر آنا جانا ہے دین میں اختلاف کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ حقیقی دین بس ایک ہی ہے۔" (تفسیر صافی صہ ۲۱۹ بحوالہ علل الشرائع)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا: "جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو اللہ نے حکم دیا کہ ایک گروہ تو نکل کر جہاد کرے اور دوسرا گروہ ٹھہر کر علمِ دین حاصل کرے اور لوگ اپنی اپنی باریاں بدلتے رہیں۔" (تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

نتائج[1] : قرآن نے تحصیلِ علومِ دین کا اصول یہ بتایا ہے کہ ایک جماعت جاکر علومِ دین کو حاصل کرے اور واپس آکر دوسرں کو خدا کے احکامات پر عمل کرنے کی ترغیب دے۔ لوگ اُن سے دین کی تعلیم حاصل کریں اور ان کے بتائے ہوئے خدا کے احکامات پر عمل کریں۔ اسی کو تقلید کہتے ہیں جو عادت، عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔ ★ . . . . . (ماجدی)

★ فقہاء[2] نے لکھا کہ اس آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ تحصیلِ علمِ دین فرضِ کفایہ ہے پس ہر شہر کے ایک گروہ کو علمِ دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب گنہگار قرار پائیں گے۔ ★ . . . . . (جصاص)

★ اہلِ عرفان نے لکھا کہ طالبِ علم کی غرض "تَفَقُّهَ فِي الدِّينِ" یعنی : دین کی گہری سمجھ حاصل کرنا) ہونا چاہیے۔ صرف حیض و نفاس کے مسائل یاد کرلینا نہیں۔

(۳) **کفر و نفاق کا علاج** دیہاتی عربوں کے شدّتِ کفر و نفاق کو بیان کرنے کے بعد اُن کو اس حالت میں پڑا نہیں چھوڑ دیا۔ کیونکہ اُن کے کفر و نفاق کی اصل وجہ جہالت تھی اس لیے اُن کے اندر شعورِ اسلامی کے بیدار کرنے کا باقاعدہ نظام بتایا گیا، یہ ضروری قرار نہیں دیا کہ ساری کی ساری بستی علمِ دین حاصل کرنے کے لیے نکل پڑے، بلکہ بستی کے چند مخصوص آدمی علمِ دین کے مرکزوں کی طرف آئیں، اور اپنے اندر دین کی گہری سمجھ پیدا کریں اور اپنی اپنی بستیوں کی طرف لوٹیں پھر وہاں اسلام کا صحیح علم اور قوتِ عمل بیدار کریں۔

(۴) **معیارِ علم** : اس نظامِ تعلیم کا مقصد صرف لوگوں کو کتاب خوانی یا عام معلومات فراہم کرنا ہی نہیں تھا، بلکہ دین کی گہری سمجھ پیدا کرنا مقصود تھا۔ ——— اب ہر نظامِ تعلیم کو اسی معیار پر جانچا جائے گا کہ وہ اُس علم میں گہری سمجھ پیدا کرتا ہے۔ یا۔ نہیں ؟ وہ اسکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کا نظامِ تعلیم ہو یا دینی مدرسوں کا نظام ہو۔ اصل مقصد دین کی بصیرت، مزاج اور روح کو سمجھانا ہے، اور یہ سمجھانا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں کس طرح اسلامی طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

آجکل جس علم کو فقہ کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں صرف اسلام کا قانون ہے۔ فقہ کا علم محض صورتوں اور ظاہری اعمال کا علم بن کر رہ گیا ہے۔ اب ملاؤں نے یہ سمجھا ہے کہ بس اسی چیز کا علم حاصل کرنا اس آیت کا مصداق ہے۔ حالانکہ یہ

www.drhasanrizvi.org

علمِ فقہ محض دین کا چھوٹا سا ایک جُزو ہے۔ کُل دین نہیں۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے آج کے مدرسوں کی مذہبی تعلیم صرف دین کی ظاہری شکل وصورت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور اب یہی ملّا کے نزدیک دین کی آخری منزل بن کررہ گئی ہے۔ اِس لیے سارا زورِ کلام ظاہری طہارت، داڑھی، روزہ، نماز کے ظاہری مسائل، یا پھر خمس وزکوٰۃ پر ہے۔ کیونکہ اِن پر مدرسوں کی آمدنی کا دارومدار ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہی دین کی روح، دین کا جذبہ، دین کی بصیرت، قرآن کی حقیقت، معانی ومطالب، تو اِن مدرسوں کی تعلیم میں ان چیزوں کو دور کا بھی دخل نہیں۔ یہ ساری غلطی "تَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ" کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

"تَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ" کے معنی صرف علمِ فقہ (شریعت۔ قانون ہی) نہیں، بلکہ پورے دین کی گہری سمجھ، بصیرت اور روح مراد ہے، جو ہماری عملی زندگی کا حصہ بن سکے۔ ★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

ے شیخِ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں ؟
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ ؟ ★ ۔ ۔ ۔ ۔ (اقبالؔ)

نتائج وتعلیمات

کیونکہ پچھلی آیتوں میں جہاد میں نہ نکلنے پر ملامت کی گئی تھی، اِس لیے ممکن تھا کہ کوئی یہ سمجھ بیٹھتا کہ جہاد پر تمام کے تمام مسلمانوں کو نکلنا فرضِ عین ہے۔ اِس لیے شاید یہاں یہ فرمادیا کہ "ہمیشہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کے سب مسلمان اکیدم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلے اور ہر قوم سے ایک جماعت جہاد کے لیے نکلے اور رسولِ اکرمؐ کی صحبت میں رہ کر دین کی گہری سمجھ پیدا کرے۔ پھر واپس آکر اپنی قوم کو بھلے بُرے سے آگاہ کرے، اور اگر حضورِ اکرمؐ جہاد کے لیے تشریف نہیں لے گئے ہیں تو باقی لوگ جو جہاد کے لیے نہیں نکلے ہیں، وہ حضورؐ کی صحبت میں رہ کر دین کی تعلیم حاصل کریں۔ ★ ۔ ۔ ۔ ۔ (روح المعانی)

دوسرا نتیجہ :-

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ: ہر قوم میں سے کچھ لوگوں کو چاہیے کہ علمِ دین سیکھنے کے لیے نکلیں اور پلٹ کر دوسروں کو سکھائیں۔ (شاہ ولی اللہ) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ابوحیّان کے نزدیک یہ آیت طلبِ علم کیلئے ہے۔

www.drhasanrizvi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ (١٢٣) اے ایمان لانے والو! جنگ کرو اُن حق
يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا کے منکروں سے جو تم سے قریب ہیں۔ اور چاہیے
فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ کہ وہ تمہارے اندر مضبوطی و سختی محسوس کریں۔
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ١٢٣ اور جانے رہو کہ اللہ بُرائیوں سے بچنے والوں کے ساتھ ہے۔

پرہیزگاری کے ساتھ سختی کا درس

کیونکہ قرآن کی آیات کی ترتیب سلسلۂ نزول کے مطابق نہیں ہے اس لیے کچھ آیات اپنے پس منظر سے جدا ہوگئی ہیں۔ یہ آیت بھی اسی طرح کی ہے۔ اس لیے جنگجو قسم کے لوگ بآسانی اس آیت کو مہم جوئی اور جنگجوئی کے لیے استعمال کرسکتے ہیں لیکن اگر شانِ نزول کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آیت عمومی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ آیت اُس وقت اُتری تھی جب کافروں نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کردی تھی۔

*۔۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

تعلیم و نتائج: (۱) منکرینِ حق کے معاملے میں اپنے شخصی، خاندانی اور معاشی تعلقات کا لحاظ تقویٰ و پرہیزگاری کے خلاف ہے۔ (۲) منکرینِ حق پر سختی کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ اخلاق اور انسانیت کی ساری حدیں توڑ دی جائیں۔ اگر تم نے انسانیت اور اخلاق کو چھوڑا تو خدا بھی تمہارا ساتھ بھی چھوڑ دے گا۔ اسی لیے آخر میں فرمایا: "اللہ بُرائی سے بچنے (اور فرائض ادا کرنے) والے (متقیوں) کے ساتھ ہے۔

*۔۔۔۔۔ (تفہیم)

(۳) اہلِ عرفان نے آیت کے اِن الفاظ سے کہ " اے ایمان والو! اُن کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب (آس پاس) ہیں۔" سے ایک لطیف نتیجہ یہ نکالا کہ سب سے پہلے اپنے ہی نفس سے مجاہدہ کرنا چاہیے کہ یہی کافر سب سے قریب تر ہے۔ تاکہ انسان اپنے نفسِ اَمّارہ کو نفسِ مطمئنہ بنا سکے۔ * * * (ماجدی)

(۴) فقہاء نے اس آیت سے نتیجہ نکالا کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے جو ترتیبِ طبعی کے موافق اوّل ان دشمنانِ اسلام سے ہونا چاہیے جو مسلمانوں کے قریب ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں کررہے ہیں۔ اِن کے بعد اُن مسلمانوں پر فرض ہے جو پہلے والے مسلمانوں سے قریب تر رہتے ہیں۔ اس طرح درجہ بدرجہ حلقۂ جہاد کو وسیع تر کرنا طریقۂ رسولؐ کی پیروی ہے۔۔۔۔الخ (جصاص)

www.drhasanrizvi.org

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ (۱۲۴) اور جب بھی کوئی (نیا) سورہ اترتا ہے تو
مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ اُن میں سے کچھ ایسے ہیں جو (مذاقاً) پوچھتے ہیں
إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا کہ تم میں سے کون ہے جس کے ایمان میں اس
فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ سورے نے اضافہ کیا ہو؟ تو (جواب یہ ہے کہ) جو لوگ
يَسْتَبْشِرُونَ ۞ ۱۲۴ واقعاً حق کو مانتے ہیں، اُن کے ایمان میں تو اس سے
اضافہ ہوا ہے اور وہ لوگ خوش بھی ہوتے ہیں۔

اللہ کی آیتیں سننے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے

نتیجہ (۱): محققین نے نتیجہ نکالا کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ ٭...... (تفسیر صافی صفحہ ۲۲ بحوالہ تفسیر قمی)

(۲) نفاق کا اظہار بے جا اعتراضات کرنے سے بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی نفاق کی پہچان ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرۃ میں خدا نے فرمایا: "اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ مچھر یا اُس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال بیان کرے۔" تو جو اللہ کو دل سے مانتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ (کتاب) اللہ کی طرف سے ہے اور حق ہے، اور جو حق کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کا مطلب کیا ہے؟ غرض" اللہ بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور گمراہی میں صرف اُنہی کو چھوڑتا ہے جو بدکار ہیں۔" (سورۂ بقرۃ)

(۳) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا کی طرف سے کوئی جبر نہیں۔ خدا کی طرف سے ہدایت کی توفیق کا ملنا، یا خدا کا گمراہی میں چھوڑ دینے کا دارومدار خود ہماری اپنی حالت پر ہوتا ہے۔ جو طلبِ حق رکھتے ہیں وہ اللہ کی ہدایات، کتابوں اور انبیاء کی قدر کرتے ہیں اور اُن کو دل سے مانتے ہیں اور اُن کے پیغام کو حق سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ رہے بدکار اور بدمعاش، تو وہ طلبِ حق نہیں رکھتے، اس لیے وہ حق کا مذاق اُڑانے کے لیے طرح طرح کے سوالات اور اعتراضات کیا کرتے ہیں، کیوں؟ کیسے؟ کب؟ کس طرح؟ کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں کی نجاست آیاتِ الٰہی کے سننے سے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ٭.... (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡہُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِہِمۡ وَ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ○ ۱۲۵

(۱۲۵) اور رہے وہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے تو اُن کی موجودہ خباثت و نجاست میں ایک نئی خباثت کا اضافہ کردیا، اور اسی لیے وہ مرے بھی تو اس حالت میں کہ وہ حق کے منکر تھے۔

اَوَ لَا یَرَوۡنَ اَنَّہُمۡ یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوۡ مَرَّتَیۡنِ ثُمَّ لَا یَتُوۡبُوۡنَ وَ لَا ہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ○ ۱۲۶

(۱۲۶) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ امتحان میں ڈالے جاتے ہیں؟ مگر اس پر بھی نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں، نہ کوئی سبق سیکھتے ہیں اور نہ کوئی نصیحت ہی قبول کرتے ہیں۔

(آیت ۱۲۵) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "اس آیت میں "رجس" سے مراد شک ہے۔
٭ . . . . . (تفسیر صافی صفحہ ۲۲ بحوالہ تفسیر قمی و تفسیر عیاشی)

جب کبھی جنگ یا کوئی کڑا وقت مسلمانوں پر پڑتا ہے جس میں جان مال یا محنت کی قربانی دینی پڑتی، ایسے تمام مواقع پر منافقین کی منافقت جو اُن کے جھوٹے اقرار اور ایمان کے نیچے دبی ہوتی، کھل کر اوپر آجاتی اور اس طرح اُن کی گندگی پہلے سے اور زیادہ بڑھ جاتی۔ ٭ . . . . . (تفہیم)

مومنوں اور منافقوں کے امتحانات (آیت ۱۲۶) خدا کی طرف سے مومنین کے امتحانات بیماریوں اور مختلف بلاؤں کے ذریعے ہوا کرتے ہیں۔ ان مصائب کی وجہ سے (۱) مومنین اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (۲) اُن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (۳) اُن کے درجات میں بلندی عطا ہوتی ہے۔ (ماجدی)

لیکن جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں وہ اسے اتفاقاتِ زمانہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ ٭ . . . . (فصل الخطاب)

مطلب یہ بھی ہے کہ ہر سال کم سے کم ایک دو مرتبہ منافقین کا امتحان لیا جاتا ہے، مگر وہ ایسے بے حیا اور بد باطن ہیں کہ تازیانوں پر تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ نہ تو پچھلی خطاؤں پر توبہ کرتے ہیں اور نہ آئندہ کے لیے نصیحت پکڑتے ہیں۔ ٭ . . . . . . (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ (١٢٧)
بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ
مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ
اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا
يَفۡقَهُوۡنَ ۝ ١٢٧

اور جب کوئی سورت اُترتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایکدوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر پلٹ کر نکل بھاگتے ہیں۔ اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا ہے اِس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

منافق آپس میں اشارے بازی کیا کرتے تھے

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ایسا سورہ اُترا جس میں منافقوں کی حالت اور خصوصیات کو بیان کیا جاتا ہے تو منافقین حیرت اور خوف سے ایکدوسرے کے چہرے تکنے لگتے ہیں۔ اِس لیے بھی کہ اُن آیات کو سُن کر وہ شرمندہ ہوتے۔ ★۔۔۔۔۔۔ (جلالین - فتح الرحمٰن)

★ اور پھر ایکدوسرے کو اشارے کرتے کہ اب یہاں مزید نہ ٹھیرو اور اب یہاں سے پھوٹ لو۔ ★۔۔۔۔۔۔ (تبیان، تفسیر علی بن ابراہیم)

★ (یہ دیکھ کر کہ) اُن کو کوئی مسلمان دیکھتا تو نہیں ہے، چپکے سے (اپنے گھر) پلٹ جاتے۔ (مولانا فرمان علی)

★ پھر وہ پلٹ جاتے ہیں یعنی وہاں سے ہٹ کر اِدھر اُدھر چل دیتے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ)

★ حضورِ اکرمؐ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی نیا سورہ اُترتا تھا تو آپؐ مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرتے اور سورہ سُناتے۔ صاحبانِ ایمان اور طلبِ حق رکھنے والے تو کان لگا کر پوری طرح غرق ہو کر سُنتے۔ مگر منافقین حاضر تو اِس لیے ہوتے تاکہ اُن کی منافقت کا راز نہ کُھل جائے، مگر اُن کو سورہ سننے سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ صرف خود کو حاضرین میں شمار کرانے کے لیے، اُکتائے ہوئے بیٹھے رہتے اور ایکدوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے رہتے کہ جیسے ہی لوگوں کی نگہ سے بچیں ویسے ہی پھوٹ جائیں۔ خدا ایسے منافقوں کو بیوقوف بتا رہا ہے کہ وہ قرآن جیسی عظیم نعمت کی قدر نہیں کر رہے، بلکہ دنیا کی گھٹیا قسم کی دلچسپیوں میں کنوئیں کے مینڈک کی طرح غرق ہیں اور کتنی عظیم رہنمائی سے محروم ہو رہے ہیں۔ ★۔۔۔۔۔۔۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ (۱۲۸) دیکھو ! تم لوگوں کے پاس ایک خدا کا پیغام
عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ پہنچانے والا آیا ہے، جو خود تم ہی میں سے ہے[۱] جس کو
عَلَيۡكُم بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٞ رَّحِيمٞ ۝ ۱۲۸ تمھارا نقصان میں پڑنا بہت شاق ہے، جسے ہر وقت
تمھاری ہی فکر لگی رہتی ہے (کہ تم ایمان لے آؤ) اور ایمانداروں پر تو وہ بہت ہی شفیق و مہربان ہے۔

رسولؐ کی مدح بزبانِ وحیِ الٰہی

[۱] خدا کا اپنے نبیؐ کے لیے کہنا کہ "تم میں سے ہے" بتاتا ہے کہ نبیؐ اپنی نوعیت اور ماہیت میں ہمارا ہم جنس ہوتا ہے۔ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق نہیں ہوتا۔ مگر اُس کے شخصی صفات اُسے اپنی نوع کے افراد سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ اُس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور اُس کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ ***

مطلب یہ ہے کہ رسولؐ خلقت میں تمھاری ہی جنس یعنی عرب سے ہے۔ یہ مطلب بھی ہے کہ رسول خلقت میں ظاہری طور پر تمھارا ہم شکل ہے۔ (یعنی انسان ہے) ★ ...... (تفسیر صافی ص۲۲۲۔ تفسیر قمی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا: "اِس آیت کا تین چوتھائی ہمارے لیے ہے اور ایک چوتھائی ہمارے دوستوں اور پیروی کرنے والوں کے لیے ہے۔"
★..... (تفسیر عیاشی)

آخری مطلب یہ ہے کہ ہمارا رسولؐ تم پر اتنا مہربان ہے کہ جس چیز سے تمھیں تکلیف پہنچتی ہے، وہ اُن پر بہت گراں گزرتی ہے۔ آپؐ ہر ممکن طریقے سے یہ چاہتے ہیں کہ اُمت کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانی ہو، تاکہ وہ دنیوی اور اُخروی عذاب سے محفوظ رہیں۔ اسی لیے جو دین حضورؐ لائے ہیں وہ آسان اور سہل ہے۔ آپؐ اپنے مقرر کیے ہوئے عمّال کو خاص طور پر ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ: "یسروا و لا تعسروا" یعنی آسانی کیا کرو، سختی نہ کیا کرو۔" (الحدیث) ...... جب رسولؐ تمام جہان کے لیے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں اور اطاعت گزاروں پر کس قدر شفیق اور مہربان ہوں گے! ★..... (ثمانی)

دوستاں را کجا کنی محروم ⁂ تو کہ بر دشمناں نظر داری

www.drhasanrizvi.org

مِنْ اَنْفُسِكُمْ کی صفت بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ؐ کی چار ممتاز صفات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ یہ صفات لوگوں کے میلانات کی تحریک کے لیے اور اُن کے احساسات و جذبات کو جذب کرنے کیلئے گہرا اثر رکھتی ہیں ۔

پہلے فرمایا گیا ہے ۔ تمھیں کوئی بھی تکلیف، ضرر اور نقصان پہنچنا، پیغمبرؐ کے لیے سخت تکلیف اور ناراضی کا باعث ہے ۔ (عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ) یعنی وہ نہ صرف تمھاری تکلیف سے خوش نہیں ہوتا، بلکہ وہ اِس تکلیف سے الگ بھی نہیں رہ سکتا، وہ تمھارے رنج و غم سے رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر تمھاری ہدایت اور طاقت فرسا، پُر زحمت جنگوں پر اصرار کرتا ہے تو وہ بھی تمھاری نجات اور ظلم، گناہ اور بد بختی کے چُنگل سے تمھاری رہائی کے لیے کرتا ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ تمھاری ہدایت سے سخت لگاؤ رکھتا ہے اور تمھاری ہدایت سے عشق رکھتا ہے حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ۔ لغت میں "حرص" کا معنی ہے "کسی چیز سے شدید لگاؤ رکھنا" ۔ یہ بات جاذبِ نظر ہے کہ زیرِ بحث آیت میں بطور اطلاق کہا گیا ہے کہ: "تم پر حریص ہے"۔ نہ ہدایت کے بارے میں بات کی گئی ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کے بارے میں ۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اُسے تمھاری ہر طرح کی سعادت، پیش رفت، ترقّی اور خوش بختی سے عشق ہے لہٰذا اگر وہ تمھیں جہاد کے تلخیوں بھرے میدانوں کی طرف بھیجتا ہے اور اگر منافقین کو سخت دباؤ میں رکھتا ہے تو یہ سب باتیں تمھاری آزادی، شرف، عزّت اور ہدایت کے لیے ہیں اور یہ کام تمھارے معاشرے کی پاکسازی سے اُس کے عشق کی وجہ سے ہے ۔

اس کے بعد تیسری اور چوتھی صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے کہ: وہ مومنین کے لیے رؤوف و رحیم ہے ۔ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ

لہٰذا اگر وہ مشکل اور طاقت فرسا حکم دیتا ہے تو یہ بھی اُس کی طرف سے ایک طرح کی محبت اور لطف ہے یہاں تک کہ گرمیوں کے موسم میں طاقتور دشمن کے مقابلے میں جنگِ تبوک کے لیے بھوک اور پیاس کے ساتھ طویل اور جلانے والے بیابانوں سے گذرنا بھی اُس کے مہر و محبّت کی علامت ہے ۔ رؤوف اور رحیم کے معنی میں فرق یہ ہے کہ:

رؤوف: فرمانبرداروں کے لیے مخصوص محبّت اور لطف ۔ "رحیم" گناہگاروں کے لیے رحمت کی طرف اشارہ ہے ۔

(تفسیر نمونہ ص ۱۶۸-۱۶۹)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ (١٢٩) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ١٢٩ ع ١٦/٥

پس اگر یہ لوگ اب بھی آپؐ سے منھ پھیرتے ہیں تو آپؐ کہہ دیجئے کہ: "میرے لیے تو بس اللہ بہت کافی ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود ہی نہیں، اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہ تو عظیم عرش کا مالک ہے۔"

اللہ پر بھروسہ بہترین عمل ہے

اہلِ سنت کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیات قرآن کی سب سے آخری آیتیں ہیں۔ ⋆...... (جلالین از مستدرک حاکم عن ابی بن کعب)

مطلب یہ ہے کہ منکرینِ حق سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے انکار پر قائم ہیں۔ تو میری حفاظت اور مدد کے لیے میرا خدا کافی ہے۔ تمہارے انکار سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ میرا بھروسہ، میرا تکیہ اُس ذاتِ والاصفات پر ہے جو عرشِ عظیم یعنی زبردست اقتدار اور قوّت کا مالک ہے۔ ⋆...... (ماجدی)

رسولِ اکرمؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر لوگ آپؐ کی عظیم الشّان شفقت، مہربانی اور دلسوزی کی کوئی قدر نہ کریں تو کچھ پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں، غم نہ کھائیں کیونکہ اگر ساری کی ساری دنیا بھی آپؐ سے منھ پھیر لے تو صرف اکیلا خدا ہی آپؐ کے لیے بہت کافی ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان کی سلطنت اور عرشِ عظیم جیسا تختِ شاہی کا تنہا مالک خدا ہے۔ ہر قسم کا نفع نقصان صرف اور صرف اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اِس لیے صرف اُسی پر بھروسہ کیجیے اور لوگوں کی پرواہ نہ کیجیے۔ ⋆...... (عثمانی)

حیوانات اور درندوں سے حفاظت کے لیے:

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اِس سورہ کی آخری آیت قرآن کی سب سے آخری آیت ہے جو آسمان سے آخر میں اُتری ہے۔ اور قرآن کی سورتِ کاملہ جو سب سے آخر میں اُتری وہ یہی سورتِ برأت ہے۔ اور تفسیر جامع میں بروایت اصبغ بن نباتہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ "گھر سے روانگی کے وقت سورۂ برأت کی آخری دو آیتیں ۱۲۸-۱۲۹ پڑھ کر انسان روانہ ہو تو حیوانات اور درندوں سے محفوظ رہتا ہے۔"

⋆...... (تفسیر انوار النجف ص ۱۴۳)

www.drhasanrizvi.org

آیاتُہا ۱۰۹ | سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ | رُکُوْعَاتُہَا ۱۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے جو سب کو فیض پہنچانے والا، مسلسل بے حد رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ الف۔ لام۔ را۔ (یہ اسم اعظم کے حروف ہیں) المنزل

یہ دانش وحکمت والی اس کتاب کی آیتیں ہیں جو محکم ومضبوط ہے اور بہت سی گہری حقیقتوں سے لبریز ہے

اِس سورۃ کی فضیلت وخواص

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

"من قرء سورۃ یونس فی کل شہرین او ثلاثۃ لم تخف علیہ ان یکون من الجاھلین وکان یوم القیامۃ من المقربین" (تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۲۹۰ - وغیرہ بحوالہ تفسیر نمونہ)

یعنی: "جو شخص سورۂ یونس ہر دو یا تین ماہ میں ایک دفعہ پڑھے تو اُس کے لیے یہ خوف نہیں کہ وہ جاہلوں میں سے قرار پائے۔ نیز قیامت کے دن وہ مقربین میں سے ہوگا۔"

★ تفسیر جامع میں کتاب "خواص القرآن" سے منقول ہے کہ "جو شخص اِس سورے کی تلاوت کرے گا اُس کے نامۂ اعمال میں حضرت یونسؑ کی تصدیق وتکذیب کرنے والوں کی تعداد کے برابر نیکیاں درج ہوں گی"۔ اگر اِس سورے کو لکھ کر اُس کے نیچے اُن افرادِ خانہ کے نام لکھے جو اُس گھر میں ہوں اور اُس نوشتہ کو گھر کے اندر رکھے تو اُن ناموں والے

www.drhasanrizvi.org

افراد میں سے جس کے ذمّے کوئی قصور ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور اگر اس سورے کو طشت وغیرہ میں لکھ کر دھوئے، اور اُس پانی سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائے اور مشتبہ افراد کو وہ روٹی کھلائے تو اُن میں سے جو بھی چور ہوگا' لقمہ اُس کے حلق میں پھنس جائے گا' اور کھا نہ سکے گا' اور اگر کھائے گا تو وہ چوری کا اقرار از خود کرے گا۔

★ . . . . (تفسیر انوار النجف ص ۱۴۳)

★ "حکیم" کے دو معنی ہیں۔ (۱) حکمت و دانش والی گہری حقیقتوں سے لبریز آیتیں۔

★ . . . . . (شاہ ولی اللہ - فصل الخطاب)

(۲) محکم اور مضبوط علم پر مبنی آیتیں اور دلیلیں۔

★ . . . . (تفسیر جلالین ، شاہ رفیع الدین)

قرآن حکمت ہے:

★ احمق لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ قرآن جادوگری یا شاعرانہ تخیّل کی پرواز ہے۔ اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ نہ تو یہ کاہنوں کی طرح کی آسمان سے متعلق بے سروپا باتیں ہیں اور نہ یہ شاعری یا جادوگری ہے۔ بلکہ یہ حکمت اور دانائی سے بھرپور، مضبوط دلائل پر مبنی کلام ہے۔ اگر اس کو نہ سُنو گے تو حکمت اور دانائی جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

★ . . . . . (تفہیم)

★ آیت کا پیغام یہ ہے کہ قرآن کی آیتیں ایسی مضبوط اور محکم کتاب کی ہیں کہ جس کی ہر بات سچّی، پکّی اور کھری و اٹل ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ تک ہمیشہ ہر قسم کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رہیں گے۔ اِس کتاب کے علوم تمام تر عقل و حکمت کے مطابق ثابت ہوتے رہیں گے۔ اِسی وجہ سے اِس کتاب کی ناسخ کوئی اور کتاب آنے والی نہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اِس لیے کہ یہ کتاب خدائے علیم و حکیم نے اپنے علمِ کامل کے زور پر اُتاری ہے۔

★ . . . . . . (عثمانی)

★ آسمانی کتاب یعنی قرآن کی تعریف کے لیے "حکیم" کہا گیا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آیاتِ قرآنی استحکام نظم و ضبط اور حساب و کتاب کی حامل ہیں۔ اور ہر قسم کے باطل سے، فضول باتوں سے اور ہزل گوئی سے دور ہیں' اور قرآن حق کے سوا کچھ نہیں کہتا اور سوائے راہِ حق کے کسی چیز کی دعوت نہیں دیتا۔

★ . . . . (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.org

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ۲

(۲) کیا لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ ہم نے خود انھیں میں سے ایک آدمی کو اشارہ کیا (وحی بھیجی) کہ (لوگوں کو) ڈرا کر جونکا دیجیے۔ اور جو لوگ آپؐ کی بات کو مان لیں اُن کو خوشخبری سُنا دیجیے کہ اُن کیلیے اُن کے پالنے والے مالک کے پاس سچی عزت، سچائی کا مرتبہ اور سرفرازی ہے (مگر) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔

کفار کی کج فہمی

خدا کا فرمانا کہ: "ہم نے ایک آدمی کو اشارہ کیا" تو اُس آدمی سے مراد رسولِ اکرمؐ کی ذات (والاصفات) ہے۔ .... (تفسیر علی بن ابراہیم)

اور خدا کا فرمانا کہ "اُن کے لیے سچی عزت، سچائی کا مرتبہ اور حقیقی کامیابی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو سچائی کا ذخیرہ وہ اپنے کردار و گفتار سے اللہ کے پاس پہلے بھیج چکے ہیں، وہ اللہ کے پاس بہترین جزا کی شکل میں اُن کے لیے محفوظ ہے۔ .... (تفسیر جلالین)

آیت کا استدلال یہ ہے کہ انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اگر انسان کو مقرر نہ کیا جاتا تو کیا فرشتے یا جن کو مقرر کیا جاتا؟ دوسری بات یہ بتائی جارہی ہے کہ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا اپنی سب سے پیاری مخلوق انسان کو اُن کے بُرے حال پر چھوڑ دیتا اور اُن کی رہنمائی کا کوئی بندوبست نہ کرتا۔ تیسری بات یہ بتائی جارہی ہے کہ جو خدا کی ہدایت یعنی قرآن کو مان لیں گے عزت اور کامیابی اُنہی کے لیے ہوگی۔ جب یہ تینوں باتیں نہایت معقول ہیں تو پھر تعجب کیوں ہے؟

اب یہ کہنا کہ یہ قرآن سب خطابت کی جادوگری کا کمال ہے، تو اعلیٰ قسم کی خطابت یقیناً جادو سے کم نہیں ہوتی، مگر دیکھنا یہ چاہیئے کہ وہ خطابت کس قسم کی ہے؟ اگر وہ صرف اپنا سکہ جمانے، نام پانے، دولت کمانے یا سرداری جتانے یا مُلاؤں کی طرح لوگوں کو لڑانے کیلیے کر رہا ہے تو یقیناً وہ بدمعاشی ہے، چاہے وہ دین ہی کے نام پر ہو لیکن اگر خطابت میں کوئی صالح پیغام ہے، فکر و عمل اور صداقت سے بھرپور ہے تو ایسی تقریر جادوگری نہیں، کیونکہ وہ زندگی کو سنوارتی ہے۔ کیا جادو سے ایسے نتائج نکلتے ہیں جو قرآن پڑھنے اور سمجھنے سے نکلتے ہیں؟

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ‏ ۝ ۳

(۳) حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا۔ پھر کائنات کا انتظام چلاتے ہوئے اپنے عرش پر جلوہ گر ہوا۔ کوئی سفارشی نہیں ہے مگر یہ کہ اُس کی اجازت کے بعد۔ یہی اللہ تمہارا پالنے والا مالک ہے۔ (لہٰذا) اُسی کی عبادت کرو۔ پھر کیا تم کبھی ہوش میں نہ آؤ گے؟ (تو کیا تم کبھی نصیحت قبول ہی نہ کرو گے۔)

توحید کی حقیقت

شرک کی کیسی بہترین نفی کرتے ہوئے توحید کی حقیقت کو کتنی وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ (۱) آسمان و زمین از خود نہیں بنے، بلکہ کسی نے بنائے تو بنے ہیں۔ (۲) پھر بتایا کہ ان کا خالق خدا ہے کوئی دیوتا نہیں۔ (۳) نیز بتایا کہ حکومت صرف خدا کی ہے۔ (۴) یہ بھی بتایا کہ وہی خالق بھی ہے اور وہی تدبیرِ کائنات کرنے والا حاکمِ مطلق بھی ہے۔ ہر کام اُسی کے انتظام اور حکم کے تحت ہوتا ہے۔ (۵) پھر شفاعت کی حقیقت بتائی کہ شفاعت بغیر اُس کی اجازت کے ممکن ہی نہیں کیونکہ اصل حاکم مطلق، متصرّف و مختارِ صرف اور صرف خدا ہے۔ شفاعت کرنے والے خدا کی حاکمیت میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ اُس کی اجازت سے شفاعت کر سکتے ہیں۔ اس طرح مکمّل توحید کا نقشہ بھی کھینچ دیا اور شرک کی مکمّل نفی بھی ہو گئی۔

"استوٰی" کے لغوی معنی ہیں "ارادہ کیا، قرار پکڑا، متوجّہ ہوا اور غالب ہوا"۔ مگر جب کوئی ایسا لفظ خدا کے لیے استعمال ہوتا ہے تو جسمانی کیفیات مراد نہیں ہوا کرتیں، جو مخلوق کی خصوصیات ہیں، کیونکہ خدا ایسی تمام کیفیات سے بلند و بالا ہے۔ (منزّا ہے) ×........ (لغات القرآن نعمانی جلد ۱ صفحہ ۸۵)

چنانچہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ علیہ السّلام نے فرمایا: "خدا کی نہ تو کوئی آواز ہوتی ہے

www.drhasanrizvi.org

جس کا کوئی کھٹکا ہو یا دھماکہ، بلکہ خدا کا کلام نفسِ ایجاد ہے۔ یعنی وہ کان، آنکھ، زبان وغیرہ کا محتاج نہیں۔ وہاں تو ارادہ ہی ارادہ ہے"۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے "استوٰی" کا مطلب یہ بتایا کہ "خدا حکومت پر اس طرح متمکن ہے کہ اس کے اقتدار کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہیں، نہ اُس کی قدرت یا حکومت کرنے میں کوئی زحمت یا مزاحمت ہے۔ اُس کا سب انتظام دُرست اور ہمہ گیر ہے۔ اور تمام چیزیں مساوی طور پر اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔" ⭑ ...... (نہج البلاغہ)

شفاعت کا حق کس کو ہے؟

البتہ اِس آیت نے یہ بھی بتا دیا کہ کسی کو خدا کے سامنے شفاعت کرنے کی مجال نہیں، مگر یہ کہ خدا کی اجازت کے بعد۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ یا شفیع صرف اور صرف وہی ہے جسے خدا نے اس کام کے کرنے کی اجازت دی ہو۔ اور کیونکہ شفاعت خدا کی اجازت سے ممکن ہے، اِس لیے وسیلہ اور شفیع کو ماننے کے بعد بھی خدا سے ہماری لَو لگی رہتی ہے اور ذہن خدا کی طرف سے منقطع نہیں ہوتا۔

مگر مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ جو وسیلہ ہیں، بس وہی صاحبِ اختیار بھی ہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے بے نیاز ہو جاتے تھے، اور اُنہی وسائل کی عبادت کرنے لگتے تھے۔ مگر مسلمان اُن وسائل اور شفعاء کے ماننے کے باوجود، اصل کارساز اللہ ہی کو جانتے ہیں۔ اِس لیے وہ مقربینِ الٰہی کی عبادت نہیں کرتے۔ عبادت صرف خدا کی کرتے ہیں۔ البتہ مقربینِ الٰہی کے لیے خدا سے دُرود کی شکل میں دعا ضرور کرتے ہیں اور پھر خدا کو اُن کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں۔ مگر عبادت صرف اور صرف اللہ ہی کی کرتے ہیں۔ ⭑ ...... (فصل الخطاب)

نتائج و تعلیمات و معرفتِ الٰہی

(۱) متکلمین نے اِس آیت سے نتیجہ نکالا کہ:۔ خدا کائنات کی پیدائش کے بعد سارے جہان کا انتظام بھی خود ہی سنبھالے ہوتے ہے۔ نہ تو اُس نے کائنات کو بنا کر یونہی چھوڑ دیا ہے اور نہ اُس کا انتظام دوسروں کے حوالے کر دیا ہے۔ (۲) کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ خدا کی اجازت کے بغیر خدا کا فیصلہ بدلوا دے۔ (۳) ربوبیت اور حاکمیت صرف خدا کیلئے مخصوص ہے اِس لیے عبادت صرف خدا کی کریں۔ ⭑ ---- (ملخص از تفہیم)

(۴) "خدا نے مخلوقات کو تدریجاً اِس لئے پیدا فرمایا تاکہ فرشتے اُس کی تخلیقات پر گواہ بن سکیں۔" (الحدیث)۔ ⭑ ---- (از امام جعفر صادقؑ۔ تحف العقول)

www.drhasanrizvi.org

اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ (۴) (جبکہ) اُسی کی طرف پھر تم سب کو پلٹ کر جانا

اللّٰہِ حَقًّا ؕ اِنَّہٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ۴

بھی ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بیشک پیدائش کی ابتدا بھی وہی کرتا ہے اور پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تاکہ پورے پورے عدل و انصاف کے ساتھ اُن لوگوں کو جزاء دے جنھوں نے حق کو مانا اور انصاف کے ساتھ نیک کام کیے۔ اور جن لوگوں نے حق کا انکار کیا وہ کھولتا ہوا پانی پییں گے اور سخت تکلیف پہنچانے والی سزا بھگتیں گے، اسی وجہ سے کہ وہ حق کا انکار کیا کرتے تھے۔

خدا عادلِ حقیقی ہے

خدا کے اس قول کی بنا پر کہ " تاکہ پورے عدل و انصاف کے ساتھ اُن لوگوں کو جزا دے ......" محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا عادلِ مطلق ہے لیکن بعض مسلمان خدا کے لیے عدل کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اگر خدا عادل نہیں تو پھر آخرت پر ایمان بے معنی ہو جاتا ہے۔ خدا کا جزاء و سزا کا عدالت کے ساتھ وابستہ کرنا بتاتا ہے کہ آخرت میں تمام معاملات عدل و رحم کی بنیاد پر طے ہوں گے۔ اگر خدا کو عادل نہ مانا جائے تو آخرت پر ایمان بے بنیاد، بے مقصد، بلکہ لایعنی قرار پاتا ہے۔

★ ہر نبی کی تعلیم میں خدا کی معرفت اور توحید کے بعد دوسری تعلیم یہی ہوتی ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت یعنی کامل اطاعت کرو، اس لیے کہ تم کو اس دنیا کی زندگی کے بعد خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اپنے کیے کا حساب دینا ہے۔ ......(فصل الخطاب)

رہا یہ سوال کہ مرنے کے بعد خدا پھر کیسے دوبارہ ہمیں زندہ کرے گا؟ آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ "جو پہلے پہل عدم سے وجود میں لاسکتا ہے اُس کیلئے دوبارہ زندہ کر دینا کونسی بڑی بات ہے"۔ انصاف کا تقاضا دوبارہ زندہ کرنے کے علاوہ کسی اور طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ ......(تفہیم)

★ آیت کا آخری پیغام یہ ہے کہ سب کا آغاز خدا کی طرف سے ہوا اور انجام بھی اسی کی طرف جانا ہے۔ پھر خدا اور اس کے رسولوں کے احکام کی مخالفت کیوں کر رہے ہو؟ ......(عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ (۵) وہی خدا ہے جس نے سورج کو چمکدار بنایا
ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ اور چاند کو روشن کیا اور (چاند کی مختلف) گھٹنے
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ بڑھنے کی منزلیں بالکل ٹھیک ٹھیک مقرر
وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ کیں ۔ تاکہ تمھیں اُس سے برسوں کا شمار اور
إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ تاریخوں کا حساب معلوم ہو۔ اللہ نے یہ سب
لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ کچھ بالکل صحیح، اور بامقصد بنایا ہے (اسطرح)
وہ اپنی نشانیاں اور دلیلیں کھول کھول کر پیش کر رہا ہے اُن لوگوں کیلئے جو جاننا چاہیں۔

قرآن نے چودہ سو برس قبل فرمادیا کہ: ؟

"ضیاء" اُس روشنی کو کہتے ہیں جو مستقل حیثیت رکھتی ہے جو سورج کے لیے بیان کی گئی ہے۔ اور "نور" اُس روشنی کو کہتے ہیں جو "ضیاء" سے لی گئی ہو یا ضیاء کا انعکاس ہو۔ قرآن نے تیرہ سو برس پہلے اللہ کے نبیؐ کے ذریعے سے بتادیا کہ چاند بذاتِ خود بے نور ہے اُس کی تمام چمک دمک سورج کا عکس ہے۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ اسلام میں سال قمری ہی معتبر ہے کیونکہ خدا نے فرمایا کہ "چاند کی منزلیں قرار دینے کا مقصد برسوں کا شمار کرنا ہے۔" (ماجدی)

خدا کا فرمانا کہ: "اللہ نے یہ سب کچھ بالکل صحیح اور بامقصد بنایا ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ لاکھوں مقاصد و فوائد کے ساتھ سب سے پہلا، بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان اُن کے قوانین کی یک رنگی اور ضبط و نظم کو دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ سب کچھ ایک خالق کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔" (ماجدی)

عقیدۂ آخرت کا منطقی ثبوت

عقیدۂ آخرت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں نظم، حکمت، مصلحت اور گہری مقصدیت پائی جاتی ہے۔ کیا عاقل خالق بھلا

www.drhasanrizvi.org

انسان کو عقل، حس اور آزادانہ ذمّے داری اور تصرّف کے اختیارات دینے کے بعد، جزاء و سزاء کے بغیر چھوڑ دے گا؟ اگر ایسا کرے گا تو اُس کا یہ ساری تخلیق کا عمل بے مقصد بلکہ مہمل ہو جائے گا، اور کوئی عاقل مہمل عمل نہیں کرتا، جبکہ خدا تو خالقِ عقل بھی ہے، حکیم و علیم بھی ہے۔ اور یہ بات کائنات کے ذرّے ذرّے سے ثابت ہے۔

غرض اِس آیت میں عقیدۂ آخرت کو تین منطقی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱) دوسری زندگی (آخرت کی زندگی) اِس لیے ممکن ہے کہ پہلی زندگی (دنیاوی زندگی) ہمیں صاف صاف دکھائی دے رہی ہے۔

(۲) دوسری زندگی عقل و حکمت اور (۳) عدل و انصاف کا منطقی تقاضا ہے۔

اب اِن تین واضح دلیلوں کے بعد اگر کسی چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ انسان کو آخرت کی زندگی کو آنکھوں سے دکھایا جائے۔ مگر خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی آنکھ سے نہ دکھایا جائے، تاکہ عقل کا امتحان ہو سکے، اور تاکہ انسان حقیقتوں کو خالص نظر و فکر اور استدلال کے ذریعے سے تسلیم کرے۔ مگر ان حقیقتوں کو عقل و استدلال سے صرف وہی لوگ مانتے ہیں جو جاہلانہ تعصّب سے پاک ہو کر علم حاصل کرتے ہیں اور طلبِ حق کی صفت دل میں رکھتے ہیں۔

(تفہیم)

توحید و آخرت کا ثبوت

خلاصہ یہ ہے کہ سمجھدار لوگ خدا کی تخلیقات کو اور اس نظامِ کائنات کو دیکھ کر خداوندِ بزرگ و برتر کی ہستی کا سراغ پا لیتے ہیں۔ وہ لوگ دنیا کا نظام دیکھ کر آخرت کے نظام کا اندازہ کر لیتے ہیں کہ آخرت میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کیے ہوں گے، اور کیا کیا امکاناتِ تخلیق ہو سکتے ہیں جس کا اندازہ کر سکتے ہیں یہاں کے عجائباتِ تخلیق کو دیکھ کر۔

(عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ (۶) وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝ ۶

یہ حقیقت ہے کہ رات اور دن کے اُلٹ پھیر یا آنے جانے میں، اور ہر اُس چیز میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہے (قدرتِ خدا کی بیشمار) نشانیاں اُن لوگوں کے لیے ہیں جو (بُرے انجام سے) بچنا چاہیں۔

اللہ کی تخلیقات پر غور و فکر بہرحال ضروری ہے

یہ دلائل تو ساری مخلوق کیلیے ہیں مگر ان کو سوچنے سمجھنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو بُرائیوں سے بچتے ہوئے فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرنے والے ہوں گے۔

نیز تقویٰ کے معنی امکانی خطرات سے اپنا بچاؤ کرنا بھی ہے۔ اور یہی عقل کا تقاضا بھی ہے کہ انسان فکر و نظر سے کام لے کر حقائق کو مانے اور اُن کے تقاضوں کے مطابق عمل کرے۔ (جلالین)

خداوندِ عالم کا فرمانا: "بیشمار نشانیاں اور دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو بُرائی کے بُرے انجام سے بچنا چاہیں۔" تو عقل کا تقاضا یہی ہے کہ امکانی خطرات سے اپنا بچاؤ کریں۔ یہی عقل کا فیصلہ تحقیقِ حق، طلبِ حق اور فکر و نظر کی دعوت دیتا ہے، اور اسی طلبِ حق کی وجہ سے اور غور و فکر کی وجہ سے انسان حق کو قبول کرتا ہے اور ایمان کی دولت سمیٹتا ہے۔ (تفسیر جلالین - تفسیر تبیان)

؎ وَ فِی کُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی ہر ہر چیز میں اُس کی نشانی موجود ہے اور ہر چیز اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ خدا ایک ہے ----- (عثمانی)

؎
حقیقت ایک ہے ہر شئی کی، نوری ہو کہ ناری ہو ٭ لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
(اقبالؒ)

ہر سو تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے ٭ جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے
(میر انیسؒ)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (٧) وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ ،

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی اُمید ہی نہیں رکھتے (کیونکہ) وہ دنیا ہی کی زندگی پر خوش اور مطمئن ہیں، (اِس لیے) وہ لوگ ہماری باتوں اور دلیلوں سے غافل ہیں۔

انسان کی تباہی کا اصل سبب

انسان کی تباہی کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی مادّی زندگی پر مطمئن ہو کر آخرت کی زندگی سے بالکل بے پرواہ ہو بیٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فکرِ آخرت یا انجام کی فکر بالکل نہیں رہتی۔ اِس لیے جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

خدا سے ملاقات سے مراد: قیامت کا دن ہے۔ ٭... (جلالین)

کیونکہ آخرت کی تمام منزلیں وہ ہیں کہ جن میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا سبب کارفرما ہو ہی نہیں سکتا، اِس لیے اُن منزلوں کے پیش آنے کو مجازاً قرآن میں اللہ سے ملاقات فرمایا گیا ہے۔
٭...... (تفسیر تبیان)

لیکن عرفا کے نزدیک قیامت کے دن ہر شخص بالکل اِسی طرح محسوس کرے گا کہ وہ خدا سے واقعتاً ملاقات کر رہا ہے اور خدا سے ہمکلام ہے۔ ٭...... (روح)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا:
وہ خداوندِ بزرگ و برتر قیامت کے تمام مخلوق کا حساب ایک ساتھ لے لے گا۔ ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ خدا صرف اُسی سے ہمکلام ہے۔ لیکن خدا کو ایک سے کلام کرنا دوسرے سے کلام کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔"
٭..... (تفسیر نور الثقلین)

ہزاروں سال سے انسان کے رویّے کا تجربہ گواہ ہے کہ جو لوگ خدا کے سامنے اپنے کو جوابدہ نہیں سمجھتے، اُن کے نزدیک زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی کا معیار صرف یہ ہوتا ہے کہ جو آدمی مال و دولت،

www.drhasanrizvi.org

شہرت و عزت، طاقت، عورت اور کرسی حاصل کرلیتا ہے، خواہ وہ کسی طرح بھی حاصل کرلے، وہی کامیاب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ (۱) آیاتِ الٰہی کو ناقابلِ توجہ سمجھتے ہیں۔ (۲) وہ دنیا میں شترِ بے مہار کی طرح زندگی گذارتے ہیں۔ (۳) اس طرح زمین کو ظلم، فساد اور فسق و فجور سے بھر دیتے ہیں۔

اِس سے مکمل طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کا انفرادی یا اجتماعی رویّہ اُس وقت تک کبھی درست ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اِس بات کا مکمل شعور نہ رکھتا ہو کہ اُسے اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ لیکن اگر یہ شعور حقیقی معنی میں بیدار نہیں ہوتا تو لازمی طور پر انسان کے سیرت و کردار کی گاڑی بُرائی کی راہ پر چل پڑتی ہے۔ اگر آخرت کا انکار کسی ٹھوس حقیقت کا انکار نہ ہوتا تو ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ آخرت اور حساب کتاب کے عقیدے ہی سے ہمیشہ صحیح نتائج کا برآمد ہونا، اور اس کو نہ ماننے سے ہمیشہ بُرے نتائج کا برآمد ہونا، اِس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ عقیدہ حقیقت پر مبنی ہے۔

منکرینِ آخرت کے نیک اعمال کی حقیقت

رہا یہ سوال کہ بہت سے مادّہ پرست منکرینِ آخرت لوگ بھی بظاہر بڑا اچھا کردار رکھتے ہیں، اب یا تو یہ ریاکاری ہوتی ہے، یا وہ دنیوی مفادات کے لیے ایسا کرتے ہیں، یا پولیس کا خوف اُن کو بُرائیوں سے روکے رہتا ہے۔ ایسی رکاوٹ بڑی کمزور رکاوٹ ہوتی ہے۔ یہ خلوتوں میں اُن بُرائیوں سے نہیں بچ سکتا کیونکہ خلوتوں میں کاوٹ نہیں رہتی۔ اِس لیے کہ تمام مادّہ پرست آخرت سے منکر، لادینی فلسفوں میں اخلاقی خوبیوں اور علمی اور حقیقی نیکیوں کے لیے کوئی بنیاد نہیں ملتی۔ کسی لادینی فلسفے میں راست بازی، امانت، دیانت، وفائے عہد، عدل، رحم، فیاضی، ایثار، صلۂ رحمی، ہمدردی، ضبطِ نفس، عفت، حق طلبی، حق شناسی، فرض شناسی اور ادائے حقوق کی کوئی تعلیم یا محرکات موجود نہیں۔ خدا اور آخرت کے انکار کے بعد اگر کوئی قابلِ عمل نظام ہے تو وہ صرف اور صرف افادیت کا فلسفہ ہے باقی تمام اخلاقی فلسفے فرضی اور کتابی ہیں۔ اُن میں کوئی عملی نہیں۔ اب وہ اخلاق کی عمارت جو ذاتی افادیت کی بنیاد پر اُٹھے گی، وہ صرف ذاتی اور مادّی مفادات سے وابستہ ہوگی۔ انسان صرف فائدے کیلئے اچھے اخلاق اختیار کریگا۔ جہاں اُس کا یا زیادہ سے زیادہ اُس کی قوم کا فائدہ نہ ہوگا، وہاں اُس کا اخلاق نہایت پست ہوگا یہی چیز آج ہم کو یورپی ممالک کے لوگوں کے

www.drhasanrizvi.org

طرزِ عمل میں دکھائی دے گی۔ وہ اپنی قوم سے تو کسی حد تک اچھا سلوک کریں گے لیکن باقی ساری دنیا کو اپنے مفادات کے مطابق استعمال کریں گے۔ کیونکہ وہ لوگ مستقل اور حقیقی اخلاقی قدروں کے قائل نہیں ہوتے۔

*...... (تفہیم)

آیت کا خلاصہ :

غرض آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کی فکر نہیں کرتے وہ دنیا میں ایسا دل لگاتے ہیں کہ پھر انھیں خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہیں رہتی۔ یعنی وہ بالکل چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ اسی چند روزہ زندگی کو زندگی کا مقصود اور معبود بنا لیتے ہیں۔

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

*...... (اقبال)

ایسے غافل لوگ اصل میں خدا کی نشانیوں پر غور و فکر ہی نہیں کرتے۔ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ بھلا کیا اس عظیم الشان کائنات کے خالق و مالک نے ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار بے مقصد پیدا کر دیا ہے؟ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس سارے کارخانۂ حیات و موت کا کوئی خاص مقصد ضرور ہے۔ پھر جو خدا پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر سکتا ہے، وہ اُن کو دوبارہ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔

*...... (عثمانی)

یہ مالکِ حقیقی کا انتہائی لطف و کرم ہے کہ بار بار دعوتِ فکر دے کر غافل مخلوق کو اپنی جانب توجہ کی دعوت دیتا ہے۔ اب اِس اتمامِ حجت کے بعد اگر کوئی عارضی منافع کو ترجیح دیکر خدائی فرمائشات کو نظر انداز کرے تو اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

*...... (انوار النجف جلد ۷ ص ۱۵۲)

www.drhasanrizvi.org

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا (۸) اُن کا اصل ٹھکانا جہنّم ہے، اُس (کمائی)
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞ ۸ کی سزا میں جو وہ کمایا کرتے تھے ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا (۹) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے ابدی
الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم حقیقتوں کو دل سے مانا اور نیک کام بھی
بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ کرتے رہے، اُنھیں اُن کا پالنے والا مالک
الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۞ ۹ اُن کے حق کو ماننے کی وجہ سے سیدھی راہ پر چلا
کر منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔ اُن کے زیرِ قدم نعمت بھرے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی ۔

ایمان کی تعریف

(آیت ۹) سوال یہ ہے کہ خدا صاحبانِ ایمان کو ہدایت اور توفیق کی دولت کیوں دیتا ہے ؟

جواب یہ ہے کہ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ توفیق اُن کو خدا اور رسولؐ اور آخرت کو دل سے ماننے کی وجہ سے ملتی ہے ۔

پھر ایمان صرف دل سے مان لینے ہی کو نہیں کہتے بلکہ ایمان وہ ہے جو سیرت و کردار، اخلاق و اعمال بن جائے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے ایمان کی تعریف اِس طرح فرمائی : " الایمان هو العمل " یعنی ایمان عمل کا نام ہے ۔

جس طرح ہماری زندگی غذا پر منحصر ہے ۔ مگر ہماری زندگی کو طاقت و صحت اُس کھانے سے حاصل نہیں ہوتی جو ہضم نہ ہو۔ صرف اُس غذا سے زندگی ملتی ہے جو ہضم ہو کر خون بنے اور پھر رگ رگ میں دوڑنے لگے ۔ اسی طرح اخلاق زندگی میں بھی وہی ایمان، وہی عقائد زندگی بخش ہوتے ہیں جو فقط زبان پر جاری نہ ہوں، دل و دماغ کے کسی گوشے میں بیکار نہ پڑے ہوں، بلکہ وہ عقائد زندگی بخش ثابت ہوتے ہیں جو ہمارا مزاج بن جائیں اور ہمارے تمام اعضا سے ظاہر ہوں۔ ایمان جب واقعاً دل میں سرایت کر جاتا ہے تو عمل بن جاتا ہے ۔

؎ " رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ؛ جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے "
(غالب)

www.drhasanrizvi.org

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ (۱۰) اور وہ پکارتے ہوں گے کہ "سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ"
وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ "پاک ہے تیری ذات اے اللہ" اور آپس کی
دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ ملاقات کے وقت اُن کی دُعا، یہ ہوگی "سلٰمٌ"۔
الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰ سلامتی (ہی سلامتی) ہو۔ اور اُن کی ہر بات
کا خاتمہ اِس آواز پر ہوگا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ساری کی ساری تعریف اللہ ہی
کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا مالک ہے"۔

جنّتی لوگوں کی باتیں

جب مومن جنّت میں داخل ہوں گے تو بے پناہ عظیم ترین نعمتوں کو اچانک دیکھیں گے تو بیساختہ زبان پر حیرت اور خوشی کا یہ کلمہ جاری ہوگا کہ: "پاک ہے تو اے اللہ!" پھر جب اطمینان سے بیٹھ کر ایکدوسرے ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی سلامتی کہیں گے اور آخر میں جب نعمتوں کی پوری لذّت حاصل کر چکیں گے تو شکر کے طور پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہیں گے۔ ★...... (ماجدی)

عارفین نے نتیجہ نکالا کہ جنّت میں عاشقانِ خدا کے لیے حجاب لذّات حائل نہ ہوگا۔ بعض مفسّرین نے لکھا کہ جنّتیوں کی دُعا جنّت میں یہ ہوگی کہ "اے اللہ! ہم کو اس بات کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیری ایسی پاکی بیان کر سکیں جو تیرا حق ہے۔ ★...... (تفسیر صافی صـ۲۲۰)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "تسبیح' اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ جنّتیوں کی دُعا۔" (تفسیر عیاشی)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنّتی لوگ جنّت کی نعمتوں کو دیکھ کر "سبحان اللہ" پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنا چاہیں گے تو "سبحانک اللّٰھم" کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ سب کچھ لا کر حاضر کر دیں گے۔ گویا یہ ایک لفظ تمام دعاؤں کا قائم مقام ہوگا۔ عالی ظرف لوگوں کے ہاں بھی یہی دستور ہے کہ اگر مہمان کسی چیز کی فقط تعریف کر دے تو وہ فوراً وہ چیز مہمان کے سامنے حاضر کر دیتے ہیں۔

اور وہاں مومنین کو جب ہر نعمت مل جائے گی تو وہ کہیں گے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ★..... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

بہشتی لوگوں کے لیے نعماتِ جنّت

جنّت میں بہشتی لوگوں کا تکیۂ کلام یہی ہوگا کہ وہ ہر وقت زبان سے تسبیحِ پروردگار جاری رکھیں گے اور اس تسبیح سے وہ لذّت اندوز ہوتے رہیں گے۔

چنانچہ "تفسیر مجمع البیان" میں مروی ہے کہ: "جب کوئی پرندہ اُن کے سروں کے اوپر سے پرواز کرتا ہوا گذرے گا تو وہ اُس کو دیکھ کر یہی تسبیح کا کلمہ زبان پر جاری کریں گے۔ پس وہ پرندہ بھونے ہوئے گوشت کی صورت میں اُن کے سامنے فوراً آموجود ہوگا۔ اور جب یہ لوگ جی بھر کر کھا چکیں گے، تو وہ دوبارہ پروردگارِ عالم کی اجازت و حکم سے زندہ ہوکر پرواز کر جائے گا۔ پھر وہ جنّتی لوگ اپنے پالنے والے کا شکریہ ادا کریں گے اور اُسکی حمد و تعریف کے کلمات پڑھیں گے یعنی "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن" کہیں گے۔

(تفسیر انوار النجف صہ ۱۵۲)

اہلِ جنّت کے لیے تین عظیم نعمتیں

یہ امر جاذبِ توجہ ہے کہ اس آیت میں اہلِ بہشت کی تین نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

پہلی نعمت ــــــ ذاتِ پروردگار کی طرف توجہ ــــــ اس توجہ سے جو لذّت اُنھیں حاصل ہوگی، اُس کا موازنہ کسی اور لذّت سے نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری نعمت ــــــ وہ لذّت کہ جو مومنین کے ایکدوسرے سے صلح و تفاہم سے معمور اس ماحول میں ملاقات اور میل جول سے حاصل ہوگی اور یہ لذّت خدا کی طرف متوجہ ہونے کی لذّت کے بعد ہر چیز سے بہتر اور برتر ہوگی۔

تیسری نعمت ــــــ وہ لذّت کہ جو اُنھیں طرح طرح کی نعماتِ بہشت سے بہرہ ور ہونے سے حاصل ہوگی اور پھر وہ اُنھیں خدا کی طرف متوجہ کرے گی، اور وہ اُس کی حمد و سپاس اور شکر بجا لائیں گے۔

(تفسیر نمونہ صہ ۱۹۱)

www.drhasanrizvi.org

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ (۱۱) اور اگر کہیں خدا لوگوں کے ساتھ برائی کرنے
اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ میں بھی اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ لوگ
إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ دنیا کی بھلائی حاصل کرنے میں کرتے ہیں، تو
لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ اُن کی مہلتِ عمل کب کی ختم کردی گئی ہوتی
يَعْمَهُوْنَ ○ مگر ہم اُن لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں
رکھتے مہلتوں پر مہلتیں دے کر چھوڑے ہوئے ہیں (تاکہ) وہ اپنی سرکشی میں اندھا دھند مارے مارے بھٹکتے پھریں۔

خدا جلد بازی سے کام نہیں کرتا

یاد رہے کہ لفظِ "خیر" کا استعمال کبھی "شر" کے مقابلے پر ہوتا ہے اور کبھی "ضر" کے مقابلے پر۔ "ضر" کے معنی تکلیف اور سختی کے ہیں۔ جیسے خدا نے فرمایا: "اگر اللہ تجھے کچھ سختی (ضر) پہنچائے تو کوئی اُسے دور کرنے والا نہیں، اور اگر تجھے بھلائی (خیر) پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

* ...... (لغات القرآن نعمانی جلد ۲ صفحہ ۳۲)

انسان کوئی اچھا کام کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اُس کے خوشگوار نتائج فوراً اُس کے سامنے آجائیں۔ خدا فرما رہا ہے کہ اگر اسی طرح تمھارے بُرے کاموں کے نتائج فوراً تمھارے سامنے لے آئے جائیں تو تمھارا کیا بُرا حال ہوگا؟ اس لیے خدا جلد بازی نہیں کرتا۔ بلکہ تحمّل سے کام لیتا ہے۔ ہمیں ڈھیل پر ڈھیل دیتا ہے لیکن اگر ہم اُس مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور اپنی اصلاح نہیں کرتے تو پھر خدا کی سخت سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں، جو آخرت میں دی جائے گی۔ * ...... (فصل الخطاب)

خدا انسان کی بُرائیاں دیکھ کر فوراً عذاب نہیں بھیج دیتا، وہ پکڑنے سے پہلے بار بار سنبھلنے کا موقع دیتا رہتا ہے، ڈھیل پر ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب رعایت کی حد ختم ہو جاتی ہے اور پانی سر سے گذر جاتا ہے، تب قانونِ مکافاتِ عمل حرکت میں آتا ہے۔ یہ ہے خدا کا طریقہ۔ البتہ کم ظرف انسانوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔ خدا کے سامنے گڑگڑانا شروع ہو جاتا ہے، اور جہاں راحت ملی پھر وہی پرانے لچھن اور بدمعاشیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

* ...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ (۱۲)

انسان کا تو حال ہی یہ ہے کہ جب اُس پر کوئی مصیبت آن پڑتی ہے، تو کھڑے بیٹھے لیٹے" کروٹ کروٹ ہمیں پکارتا ہے۔ اِس کے بعد جب ہم اُس کی مصیبت کو دور کر دیتے ہیں، تو وہ (ہم سے) ایسا چل نکلتا ہے کہ گویا اُس نے اپنے بُرے وقت پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔ اِس طرح حد سے گذر جانے والوں کے لیے اُن کے (بُرے) کام خوب سجا بنا کر (اُنکی نگاہوں میں) خوبصورت بنا دیے گئے ہیں۔

انسان خدا پرست نہیں' بلکہ مطلب پرست ہے

یاد رہے، یہ اُن مسلمانوں کا ذکر ہے جو زبان سے تو خدا کے قائل ہیں اور جب وقت پڑتا ہے تو طرح طرح سے خدا کو یاد بھی کرتے ہیں۔ دعائیں منتیں کرتے ہیں مگر جب وقت نکل جاتا ہے تو خدا کو بالکل بھلا کر عیش و طرب میں کھو جاتے ہیں۔ " بس ہو چکی نماز مصلیٰ اُٹھائیے " اِس لیے عارفین کی سب سے زیادہ اہم دعا یہ ہوتی ہے کہ " اے اللہ ہم کو حق کو حق کی شکل میں اور باطل کو باطل کی اصل شکل میں دکھادے۔" " آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ "

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ناشکرا انسان اوّل تو بیباکی سے گناہ کر کر کے خود خدا کا عذاب طلب کرتا ہے مگر پھر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی تو گھبرا کر خدا کو پکارنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جب تک مصیبت سر پر کھڑی رہی' تو کھڑے بیٹھے، لیٹے، ہر ہر طرح، ہر ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہتا ہے۔ مگر جیسے ہی تکلیف ہٹالی گئی، سب کہا سنا بھول جاتا ہے پھر اپنی بدمستیوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔ گویا اب خدا سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ پھر وہی غرور، تکبّر، غفلت باقی رہ جاتی ہے جس میں پہلے مبتلا رہتا۔ اسی لیے جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے: " تو خدا کو اپنے عیش و آرام میں یاد رکھ، خدا تجھے تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔" (الحدیث) ..... (ماجدی)

ع " ظفر آدمی اُس کو نہ جانیئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا ☆ جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا "
(بہادر شاہ ظفر)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۱۳

(۱۳) اور ہم نے تو تم سے پہلے بہت سی نسلوں کو تباہ و برباد کر ڈالا (کیونکہ) جب اُنھوں نے ظلم سے کام لیا اور اُن کے پاس اُن کے رسولؑ واضح نشانیاں لیکر آئے تو وہ کسی طرح سے بھی نہ مانے۔ تو ہم اِسی طرح سے مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۴

(۱۴) پھر اَب اُن کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں اُن کی جگہ دی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کیسے کام کرتے ہو۔ ؟

عبرت حاصل کرو گذشتہ لوگوں سے

(آیت ۱۴) مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے بھی ویسا ہی ظلم و ستم کیا جیسا کہ پہلے کے ظالم لوگ کر چکے ہیں، تو تمھارا بھی وہی انجام ہوگا جو اُن کا ہوا، تم کو بھی انہی کی طرح ہلاک و برباد کر دیا جائیگا۔ ..... (تفسیر تبیان)

؎ "حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعذیریں"..... (اقبال)

؎ "از مکافاتِ عمل غافل مشو ؞ گندم از گندم بروید جو ز جو" ...... (شیخ سعدی)

یعنی: "خدا کے قانونِ جزا و سزا سے غافل نہ ہو، کیونکہ خدا کا قانون ہی یہ ہے کہ گیہوں بونے سے گیہوں اُگتے ہیں اور جو بونے سے جَو اُگتے ہیں۔" (جیسی کرنی ویسی بھرنی) "آج جو بوئے گا وہ کاٹے گا کل"

★ یاد رہے کہ خطاب عربوں یا مسلمانوں سے ہو رہا ہے۔ اُن سے کہا جا رہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانے میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا، مگر اکثر لوگوں نے ظلم اور بغاوت کا رویہ اختیار کیا۔ اس لیے وہ ہمارے امتحان میں ناکام ہو گئے، اس لیے وہ میدانِ عمل سے ہٹا دیے گئے۔ اب اے عربو! (اور مسلمانو!) اب تمھارا نمبر ہے۔ اب تم بھی اُسی امتحان گاہ میں کھڑے ہو، اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ تمھارا بھی وہی بُرا انجام ہو، تو پھر اِس موقع سے صحیح فائدہ اُٹھاؤ، پچھلوں کی تباہیوں سے عبرت حاصل کرو۔ ...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ ؕ قُلۡ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝ ۱۵

(۱۵) (مگر) جب بھی انھیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں، تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی کوئی امید ہی نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ، یا پھر اسی (قرآن) کو تبدیل کردو۔ آپ فرمادیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اسے از خود اپنی طرف سے بدل دوں میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں، جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ (کیونکہ) درحقیقت، اگر میں اپنے پالنے والے مالک کے حکم کے خلاف کام کروں تو مجھے ایک بہت بڑے (ہولناک وخوفناک) دن کی سزا کا ڈر ہے۔

عربوں کی جاہلانہ فرمائش اور اُس کا جواب

جاہلیت کی اِس فرمائش پر کہ "قرآن کو بدل دیں" خدا نے جواب دیا کہ رسولؐ کو چالیس سال تم نے دیکھا ہے کبھی کسی سے کسی طرح کی معاذ اللہ خفیف سی بھی چالبازی، کذب، افترا کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا۔ ایسا پاک صاف، سچا، کھرا اور شریف انسان بھلا اتنی بڑی خیانت، افترا اور جھوٹ باندھ سکتا ہے کہ اپنی تصنیف کو خدا کی تصنیف قرار دیدے۔ ؟ پھر تم اُس انسان کے اندازِ کلام کو جانتے ہو۔ آج تو ہزاروں حدیثیں ہمارے سامنے ہیں، مگر اُن کا انداز واسلوب قرآن سے قطعی مختلف اور جدا ہے۔ پھر یہ سوچیا عقل سے کس قدر بعید ہے کہ قرآن رسولؐ کی تصنیف ہے۔ .... * (ماجدی)

چالیس سال جس کی زبان پر قرآن جیسا یا قرآن سے ملتا جلتا کوئی ایک فقرہ بھی نہ آئے پھر وہ ایک دم اس پیغام کو لیکر کھڑا ہو جائے، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے، کہ یہ قرآن حضورؐ کے ذہن کی پیداوار نہیں، بلکہ خدا کا پیغام ہے .... * (موضح القرآن وجلالین)

"بدلنے" کے معنی ہیں کہ کوئی دوسرا قرآن پیش کیجیے۔ اِس قرآن کو اُٹھا لیا جائے اور اس کے بجائے دوسری

www.drhasanrizvi.org

کتاب جو ہماری مرضی کے مطابق ہو، آجائے۔ * ...... (تفسیر تبیان)

کافروں کا یہ قول جو اِس آیت میں بیان ہوا ہے اسی مفروضے پر تھا کہ محمدؐ جو کتاب پیش کر رہے ہیں، وہ خود اُنکے دماغ کی تصنیف ہے، خدا کی طرف اس کتاب کو صرف اِس لیے منسوب کر رہے ہیں تاکہ اس کا وزن بڑھ جائے۔ اِس لیے کہہ رہے ہیں کہ اے محمدؐ! تم نے یہ توحید اور آخرت اور اخلاقی پابندیوں کی بحث کیوں چھیڑ دی؟ اس سے تو ہماری ساری عیاشیاں، بدمعاشیاں ختم ہو جائیں گی۔ تم کوئی ایسی کتاب لاؤ جس سے ہماری دنیا بنے اور ہمیں خوب گُل کھلانے کا موقع ملے۔ یا کم سے کم اُس میں اتنی لچک تو ہو کہ ہم تم سے مصالحت کر سکیں۔ کچھ ہم تمھاری مان لیں اور کچھ تم ہماری مان لو۔ تمھاری خدا پرستی کے ساتھ ساتھ ہماری نفس پرستی اور دنیا پرستی کا کام بھی چلتا رہے۔

؎ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنّت نہ گئی

ہم جو چاہیں دنیا میں کرتے رہیں، مگر آخرت میں ہماری نجات یقینی ہو جائے۔ ہمارے تعصبات، رسم و رواج، شخصی اور قومی اغراض بھی پوری ہوتی رہیں۔ بس کچھ ایسا ہو جائے کہ دین کے کچھ برائے نام مطالبات پر تم راضی ہو جاؤ: اس طرح ہم خدا کا حق ادا کر دیں اور پھر ہمیں آزادی مل جائے کہ جس طرح چاہیں اپنی دنیا چلائیں۔ جہاں سے جس طرح چاہیں کمائیں اور جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ مگر تم تو بڑا غضب کر رہے ہو کہ ہماری پوری کی پوری زندگی کے سارے کے سارے معاملات کو توحید اور آخرت کے عقیدے اور شریعت کے ضابطوں میں کس دینا چاہتے ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

:- کافروں کو جواب :-

آخر میں اِس مطالبے کا جواب رسولؐ کی زبانی دیا گیا کہ میں کیا کروں؟ میں اس کتاب قرآن کا مصنّف تھوڑی ہوں۔ یہ تو خدا کی وحی ہے جس میں اپنی طرف سے بال برابر کوئی تبدیلی، اضافہ یا کمی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس قسم کی مصالحت کا کوئی امکان ہی نہیں۔ قبول کرنا ہے تو پورے دین اور پوری کتاب کو جوں کا توں قبول کرو، ورنہ پورے کو رد کر دو۔ * ...... (تفہیم)

* غرض کافروں کا حاصل مطلب یہ تھا کہ قرآن میں کچھ ترمیم کر کے اُن آیتوں کو نکال دیجیے جنہیں ہمارے خداؤں کو رد کیا گیا ہے۔ اس کا جواب آگے دیا گیا ہے۔ * ...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ۱۶

(۱۶) آپؐ فرمادیں کہ اگر اللہ کی مرضی یہی ہوتی (کہ تم کو ہدایت نہ کی جائے) تو میں یہ قرآن تمھارے سامنے ہرگز نہ پڑھتا، اور نہ اللہ تمھیں اس کی کوئی خبر دیتا۔ آخر اس سے پہلے بھی تو میں ایک (لمبی) عمر تمھارے درمیان گذار چکا ہوں۔ تو کیا (اس کے باوجود بھی) تم عقل سے کام ہی نہ لوگے؟۔

دعوتِ غور و فکر

آیت کا مطلب یہ ہے کہ: رسولؐ فرمارہے ہیں کہ میرا قرآن کا پڑھنا اللہ کی تعلیم کے مطابق ہے۔ اور اس کتاب کا میرے ذریعے سے خدا کا بھیجنا اعلیٰ درجے کا معجزہ اور عجیب بات ہے۔ کیونکہ میں اُمّی ہوں۔ میں نے کسی آدمی سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ نہ ایسے شہر میں رہا ہوں جہاں علماء رہتے ہوں۔ پھر تم کو ایسی کتاب پڑھ کر سنا رہا ہوں جس کی فصاحت ہر کلام سے بڑھی ہوئی ہے۔ جس میں تمام گذشتہ اور آئندہ کا علم بھرا پڑا ہے۔ ایسی کتاب اور اُس کا بھیجنا معجزہ نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا؟ *... (تفسیر صافی ص۲۲۱)

رسولِ اکرمؐ کی ابتدائی چالیسؒ سال کی طویل زندگی میں کوئی ایک لفظ ہدایت کا زبان پر نہ آنا اور پھر ایک دم سے ایسا عظیم پیغام اور ایسی دقیق تعلیمات کا لیکر اُٹھ جانا، از خود بتا رہا ہے کہ یہ سب کچھ اُن کے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں تھا، بلکہ خدا نے آپؐ کے قلب پر یہ تمام علوم اور تعلیمات وحی فرمائے تھے۔
*....... (فصل الخطاب)

آیت کا استدلال یہ ہے کہ رسولؐ مکہ والوں سے فرمارہے ہیں کہ تم خوب جانتے ہو کہ میں نے چالیسؒ سال کی عمر تک کسی آدمی سے کوئی تعلیم تربیت یا علماء کی صحبت نہیں پائی کہ جس سے مجھے معلومات حاصل ہوتیں۔ اب یکایک میری زبان سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹنے شروع ہو گئے جبکہ چالیسؒ سال تک کسی نے میری زبان سے کوئی ایسی ایک بات بھی نہیں سُنی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قرآن اور یہ ہدایات میرے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہیں۔ بلکہ خارج سے مجھ پر بھیجی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے مکّے والوں نے سمجھ لیا کہ ایسا شخص از خود ہرگز ایسی اعلیٰ باتیں نہیں

www.drhasanrizvi.org

بیان کر سکتا۔ اِس لیے اُنھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی اور آدمی ہے جو آپ کو یہ باتیں سکھاتا ہے۔ مگر یہ بات پہلی بات سے بھی بہت زیادہ احمقانہ تھی۔ اِس لیے کہ پورے عرب میں کوئی ایک آدمی بھی اس قابل نہ تھا کہ اُس پر اُنگلی رکھ کر یہ کہا جا سکے کہ یہ قرآن جیسی عظیم کتاب کا مصنّف ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا قابل آدمی ہوتا تو مکّے جیسی ملنسار اور چھوٹی سی سوسائٹی میں چُھپ نہیں سکتا تھا۔ اور اگر ایسا کوئی ہوتا تو قرآن کی جادو بیانی اور مقبولیت کو دیکھ کر ضرور اعلان کر دیتا کہ یہ تو میری تصنیف ہے۔ تاریخ میں اس کا کچھ سُراغ تو ضرور ملتا۔

دوسری دلیل یہ دی گئی کہ عربوں نے چالیس سال تک رسولؐ کو خوب اچھی طرح سے دیکھا تھا اور سب نے اِس بات کا اقرار کیا تھا کہ اِس شخص میں جھوٹ، فریب، مکّاری، جعل سازی، دھوکہ بازی نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اِسی لیے نبوّت کے اعلان کے پانچ سال پہلے جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا جھگڑا شروع ہوا تو سارے مکّے والوں نے پکار پکار کر کہا تھا کہ یہ کام محمّد مصطفیٰؐ کریں۔ اِس لیے کہ "ھٰذا الامین۔ رضینا۔ ھٰذا محمّد" یہ بالکل ایماندار، امین آدمی ہے۔ اس پر ہم راضی ہیں۔ یہ تو محمّدؐ ہے (اس کا کیا کہنا) حد یہ ہے کہ لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ جس آدمی نے چالیس سال تک کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں جھوٹ اور فریب سے کام نہ لیا ہو، وہ بھلا یکایک اتنا بڑا جھوٹ اور اتنا عظیم فریب گھڑ کر اُٹھ کھڑا ہوگا کہ اپنے ذہن سے گھڑی ہوئی باتوں کو (معاذ اللہ) خدا کی طرف منسوب کر دے گا۔ اِس بات کو کوئی صاحبِ عقل قبول ہی نہیں کر سکتا۔ .... (تفہیم)

تیسری واضح بات رسولؐ کی زبانی یہ کہلائی گئی کہ قرآن جو میں تمھارے سامنے پڑھتا ہوں یہ خدا کا کلام ہے خدا تو جیسا چاہتا ہے اُتارتا ہے، ویسا ہی میں پڑھ سکتا ہوں۔ اگر وہ اِس کے خلاف چاہتا تو میری کیا مجال تھی کہ میں اپنی طرف سے کلام بنا کر خدا کی طرف منسوب کر سکتا۔ تم میری امانت داری، صداقت، دیانت اور سچّائی کو چالیس سال سے جانتے ہو۔ میں کسی ظاہری معلّم سے کبھی نہ پڑھنا تم کو خوب معلوم ہے، میں نہ کبھی شاعروں میں شریک ہوا، نہ کوئی کبھی کوئی قصیدہ لکھا۔ پھر دفعتاً یہ فصیح و بلیغ کلام کہاں سے بنا کر لا سکتا ہوں؟ ماننا پڑیگا کہ یہ کلامِ خدا ہے جو رسولؐ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔
(عثمانی) ۔ ۔ ملخص)

www.drhasanrizvi.org

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ۱۷

(۱۷) پس اُس سے بڑھ کر ظالم[۱] اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اللہ کی آیتوں، دلیلوں، نشانیوں کو جھوٹا قرار دے دے۔ یقیناً (ایسے) مجرم کبھی ہرگز کامیابی یا نجات نہیں پا سکتے۔[۲]

سب سے بڑا ظالم کون ہے؟

[۱] محققین نے نتیجے نکالے: (۱) اپنی بنائی ہوئی چیز کو وحیِ خدا قرار دینا۔ (۲) اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کا انکار کرنا۔ دونوں بہت ہی سخت جرائم ہیں۔ ٭ ...... (تفسیر کبیر)

مطلب یہ ہے کہ ذرا سوچو کہ جو کچھ تعلیمات میں پیش کر رہا ہوں، اگر میری ایجادات اور طبع زاد ہیں تو مجھ سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں لیکن اگر یہ اللہ کا کلام ہے اور تم اس کا انکار کر رہے ہو، تو پھر تم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہ ہوگا۔ اب خود سوچ لو کہ ہم دونوں میں کون سب سے بڑا مجرم ہے۔ ٭ .... (تفسیر تبیان)

یعنی اگر میں بناتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں، اور جو میں سچا ہوں تو جھٹلانے والوں پر یہی بات ہے۔ ٭ .... (موضح القرآن)

لیکن بعض مفسّرین نے دونوں سزاؤں کو کفّار سے متعلق لکھا۔ اللہ پر جھوٹ باندھنے سے مراد خدا کے لیے کسی کو اُس کا شریک قرار دینا اور تکذیب سے مراد قرآن کو جھٹلانا۔ ٭ ...... (جلالین)

[۲] فلاح سے مراد صرف وقتی کامیابی نہیں ہے، بلکہ حقیقی اور اُخروی کامیابی بھی اس میں شامل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک گمراہی کی طرف بلانے والا آدمی دنیا میں خوب پھلے پھولے، اور ایک اچھائی کی طرف بلانے والا آدمی دنیا میں ہر قسم کی تکلیف اور ظاہری ناکامی سے نڈھال ہو، مگر قرآن کی زبان میں یہ دوسرا آدمی بھرپور کامیابی کا مالک ہے، اور گمراہی کی طرف بُلانے والا ظاہری طور پر کامیاب ضرور ہے مگر صاحبِ فلاح نہیں، اس لیے کہ اُس کو ابدی سزا بھگتنی ہے۔ ٭ ..... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۸

(۱۸) وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی بندگی، غلامی یا پوجا پاٹ کر رہے ہیں جو نہ تو انھیں کوئی نقصان ہی پہنچا سکتی ہیں، اور نہ انھیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، وہ (احمق) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ فرمادیں کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ تو کہیں آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں۔ خدا پاک اور بلند و بالا ہے ہر اُس شرک سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اللہ کے نزدیک شرک کی حقیقت

مشرک بتوں کی عبادت یہ کہکر کرتے تھے کہ ہم خدا کی عبادت کرنے پر تو قادر ہی نہیں اِس لیے ان بتوں کی عبادت کر لیتے ہیں تاکہ یہ ہم کو خدا سے ملا دیں۔ مگر خدا نے اِس آیت میں اُن کی اِس منطق کو رد کر دیا۔ * ...... (تفسیر صافی ص ۲۲۱ بحوالہ تفسیر قمی)

علم مطابقِ واقعہ ہوتا ہے۔ جب بتوں کا خدا کا شریک ہونا خلافِ واقعہ اور خلافِ حقیقت ہے تو خدا کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔ اللہ کو علم نہ ہونے کے معنی ہیں کہ اُس چیز کی کوئی اصلیت سرے ہی نہیں۔ * (جلالین)

یعنی ایسے سفارشی سرے سے وجود ہی نہیں رکھتے، کیونکہ کوئی موجود چیز خدا کے علم سے باہر ہو ہی نہیں سکتی۔ * ...... (ماجدی)

جب مشرکوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو نہ کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ کوئی نقصان۔ تو وہ کہتے ہیں کہ بڑا خدا تو بس ایک ہی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں۔ مگر ان بتوں، بادشاہوں، ٹھاکروں، وڈیروں، سرمایہ داروں، حاکموں، پادریوں، ملّاؤں کو خوش رکھنا اِس لیے ضروری ہے کہ یہ لوگ بڑے خدا کے مقرب بندے ہیں اور اُس کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہمارے کام بنا دیتے ہیں۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہیں بھی یہ سفارشی ہمارا کام بنا دیں گے۔ پھر یہ کہ بہت سے چھوٹے موٹے کام تو خود اُن کے اختیار میں ہیں اس لیے

www.drhasanrizvi.org

ہم کو اُن کی عبادت ضرور کرنی چاہیئے۔

جواب: پھر اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ اوّل تو یہی ثابت نہیں ہے کہ یہ بت بڑے خدا کے سامنے سفارش کرنے کا کوئی حق رکھتے ہیں، یا سفارش کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ اگر یہ سفارشی ہیں بھی تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ ان کی عبادت کی جانی چاہیئے۔ اِس لیے تمھارے دونوں دعوے غلط ہیں۔

ے پر وہی گر گیا کبوتر کا ✤ جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہی چیز ہوگی جو واقعتاً موجود ہوگی۔ گویا تمھارے جھوٹے خدا وغیرہ اور اُن کی سفارش کا چلنا سب بے حقیقت چیزیں ہیں۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ اگر اُن کا کوئی وجود ہوتا تو خدا کو ضرور معلوم ہوتا۔ اور اگر یہ باتیں موجود ہوتیں تو خدا اُن سے کیوں روکتا ؟* (عثمانی)

بُت پرستی کا ایک سبب بتوں کی شفاعت کا اعتقاد تھا۔ اور جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے۔ جس وقت عربوں کا ایک بزرگ عمرو بن لحی شام کے معدنی پانیوں سے استفادہ کرنے اور اپنا علاج کرنے اُس علاقے میں گیا تو اُسے بُت پرستوں کا طریقہ اچھا لگا۔ جب اُس نے اُن سے اس پرستش کی دلیل پوچھی تو انھوں نے اُس سے کہا کہ یہ بت بارش برسنے، مشکلات حل ہونے اور بارگاہِ خدا میں شفاعت کا ذریعہ ہیں۔ وہ چونکہ ایک فضول سا آدمی تھا، اس لیے متاثر ہو گیا اور خواہش کی کہ کچھ بُت اُسے دیے جائیں، تاکہ وہ اُنھیں حجاز میں لے جائے۔ اِس طریقے سے بُت پرستی اہلِ حجاز میں رائج ہو گئی۔ تو اِس خیال کے جواب میں قرآن کہتا ہے: "کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جسے آسمانوں اور زمین میں وہ نہیں جانتا"؟ یہ امر اس کے لیے کنایہ ہے کہ اگر خدا کے پاس ایسے شفیع ہوتے تو وہ آسمانوں اور زمین کے جس نقطے میں ہوتے خدا اُن کے وجود سے آگاہ ہوتا۔ کیونکہ علمِ خدا کی وسعت اِس طرح سے ہے کہ آسمانوں اور زمین میں چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی ایسا نہیں جس سے وہ آگاہ نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ بالکل اِس طرح ہے کہ کسی سے کہا جائے کہ کیا تمھارا کوئی اِس طرح کا نمائندہ ہے؟ اور وہ جواب دے کہ میں ایسے نمائندے کے وجود کی خبر نہیں رکھتا۔ تو یہ اُس کے وجود کی نفی کیلئے بہترین قول ہے کیونکہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی اپنے نمائندے کے وجود سے بے خبر ہو۔

* . . . . (تفسیر نمونہ صفحہ ۲۰۳-۲۰۴)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً (۱۹) (ابتدا میں) سارے کے سارے انسان ایک ہی
فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ گروہ تھے۔ پھر انھوں نے (آپس میں) اختلاف
مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا کیا۔ اور اگر تیرے پالنے والے مالک کی طرف سے
فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ ۱۹ پہلے ہی سے ایک بات طے نہ کرلی گئی ہوتی تو
جس جس چیز میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں، اُس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

دنیا دارِ عمل اور آخرت دارِ جزا و سزا ہے

بعض محققین کے نزدیک یہ بات حضرت نوحؑ کے مبعوث ہونے سے پہلے کی ہے۔ اُس زمانے میں سب لوگ دینِ فطرت پر تھے۔ وہ نہ تو مکمل ہدایت یافتہ تھے، اور نہ مکمل گمراہ۔ ★ ...... (صافی ص۲۲۱)

مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ بات پہلے ہی سے طے کرلی ہے کہ اعمال کی جزا و سزا آخرت میں ہوگی۔ اگر دنیا میں ہی فیصلہ ہو جاتا تو دنیا میں ہی کافروں پر عذاب بھی نازل ہو جاتا۔ تو پھر دنیا میں صرف ایک ہی دین باقی رہ جاتا۔ مگر خدا نے تو پہلے ہی یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ جزا و سزا دنیا کے بعد کی زندگی میں دی جائے اور دنیا کو امتحان گاہ بنایا جائے تاکہ دنیا میں ہر شخص اپنے علم و عقل و اختیار کی بناء پر کام کرے۔ ★ ... (تبیان)

ممکن تھا کہ مشرکین یہ کہتے کہ خدا نے ہمیں تو کہیں اختلافات کرنے سے منع نہیں کیا۔ تمھیں خدا نے منع کیا ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ اصولِ دین میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا۔ مگر جب بھی لوگ بہک گئے تو خدا نے انبیاءؑ بھیجے۔ کسی زمانے اور کسی قوم پر خدا نے شرک کرنے کو جائز نہیں قرار دیا۔ البتہ لوگوں کے اختلافات کو اس لیے نہیں مٹایا کہ یہ بات پہلے سے خدا کے علم میں طے شدہ تھی کہ یہ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان ہے قطعی اور آخری فیصلے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں انسانوں کو اختیار دے کر آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہِ عمل چاہیں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور یہ دنیا دارالعمل اور دارالامتحان نہ بنائی گئی ہوتی اور لوگوں کو اختیار دے کر امتحان لینے کا فیصلہ نہ سنایا گیا ہوتا، تو یہ سارے اختلافات ایکدم سے فیصلہ سنا کر ختم کر دیے گئے ہوتے۔ (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ۝٢٠

(۲۰) اور وہ یہ جو کہتے ہیں کہ اس (نبیؐ) پر اس کے پالنے والے مالک کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہ اُتارا گیا؟ تو آپؐ فرمادیں کہ: "غیب کا مالک و مختار تو صرف اللہ ہے۔ لہٰذا اب تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ (نتائج کے ظاہر ہونے کے) انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"۔

معجزوں کا مطالبہ تو عذر لنگ ہے

یہ کفار کی دھاندلی تھی کہ معجزات و آیات و دلائل کے آجانے کے بعد بھی وہ لوگ یہی کہے جاتے کہ کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی؟ خدا نے فرمایا کہ جو نشانیاں آچکیں، کیا تم نے اُن کو مانا؟ تو اب کونسی نشانی ایسی ہوگی کہ جسے تم مان لوگے؟ تو اب تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ ★...... (فصل الخطاب)

معجزوں کا مطالبہ صرف ایمان نہ لانے کے بہانے کے طور پر کیا جاتا تھا۔ بار بار اُن کو معجزے دکھائے جاتے تھے مگر ہر بار وہ یہی کہتے تھے کہ ہمیں تو کوئی نشانی دکھائی ہی نہیں گئی۔ اصل میں وہ ابدی حقیقتوں کو دل سے ماننا ہی نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ ان حقیقتوں کو ماننے کے بعد وہ اپنی من مانی نہیں کرسکیں گے اور اُن کی عیاشیوں بدمعاشیوں اور ناجائز فائدوں کے حاصل کرنے میں سخت رکاوٹ ہوجائے گی اور پھر اپنی ساری زندگی کو اخلاقی بندشوں میں قید کرنا پڑے گا۔ ★...... (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ جن نشانیوں اور معجزوں کی یہ کافر اور مشرک فرمائشیں کر رہے ہیں تو کیا صداقت کے بہت سے نشانات پہلے نہیں اُتر چکے ہیں؟ اس لیے اب اُن کی ہر فرمائش پوری نہیں کی جائے گی۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائے جائیں گے۔ اِس کا علم صرف خدا ہی کو ہے کہ آئندہ کب اور کس نوعیت کے نشانات ظاہر کرے گا؟ اِس لیے تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

"فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اِس دین کو روشن کریگا اور مخالف ذلیل ہوں گے۔ سو ویسا ہی ہوا یہ کی نشانی ایک بار کافی ہے..... اور فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں"۔ (موضح القرآن)

www.drhasanrizvi.org

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۞ ۲۱

(۲۱) اور جب ہم انسانوں کو کسی مصیبت کے آن پڑنے کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو فوراً وہ لوگ ہماری (قدرت وحکمت کی) دلیلوں کے بارے میں اپنی ترکیبیں لڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ [له] آپ اُن سے فرمادیں کہ اللہ چال چلنے میں تم سے کہیں زیادہ تیز ہے۔ [۲ه] تحقیق ہمارے فرشتے تمہاری ساری ترکیبوں اور مکاریوں کو لکھتے جارہے ہیں۔

کفرانِ نعمات پر سزا دینے کا طریقہ؟

مفسرین نے لکھا کہ اہلِ مکہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے۔ جب مرنے لگے تو اللہ نے اُن پر رحم فرمایا اور خوب بارشیں برسائیں۔ جب پیٹ بھرا تو خدا کی آیتوں پر جرح و قدح کرنے لگے اور حضور اکرمؐ کے خلاف چالیں چلنے لگے۔ ★..... (تفسیر صافی ص۲۲۲)

له ترکیبیں لڑانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کی نعمتوں اور احسانات کو ماننے کے لیے کسی طرح سے بھی تیار نہیں ہوتے۔ اور خدا کی نعمتوں کو خدا کی مرضی کے بالکل خلاف استعمال کرتے ہیں۔ یہی دونوں کفرانِ نعمت کی صورتیں ہیں۔ (موضح القرآن)

۲ه غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ قبل اس کے کہ تم اللہ کے ساتھ کوئی چال چلو، اُس نے تمہارے لیے سزا تجویز فرمادی ہے۔ "مکر" کے معنی خفیہ چال چلنا ہوتا ہے لیکن جب یہ لفظ خدا کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب "مکر" کی سزا اس طرح دینا ہوتا ہے کہ مکار کو اس کا اندازہ نہ ہوسکے اور وہ آہستہ آہستہ خدا کی سزا میں گرفتار ہوجائے۔ اس کو "استدراج کا قانون" کہتے ہیں۔ ★...... (تفسیر صافی ص۲۲۳)

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ: تم معجزے کس منہ سے مانگتے ہو؟ ابھی ابھی تم قحط کا شکار تھے۔ اپنے بتوں اور سرداروں سے بارش کا مطالبہ کرتے کرتے تم بیزار ہوگئے تھے۔ تمہارے تمام سفارشی کچھ نہ کرسکے تھے۔ آخر کار مجبور ہو کر تم خدا سے دعائیں مانگنے لگے خدا نے قحط دور کردیا۔ مگر مصیبت کے ٹلتے ہی تم نے تاویلیں اور چالبازیاں شروع کردیں تاکہ خدائے یکتا کو ماننے سے بچ سکو اور اپنے شرک پر جمے رہو۔ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی تم نہ مانے تو اب پھر کس منہ سے معجزوں کی فرمائش کر رہے ہو؟

www.drhasanrizvi.org

اللہ کی چال سے مراد یہ ہے کہ اگر اتنا کچھ سمجھانے کے بعد بھی تم اپنی اصلاح نہیں کرتے، تو پھر خدا تمھیں تمھارے اختیار کیے ہوئے غلط راستے پر چلتے رہنے کی چھوٹ دے دے گا۔ تمھیں خوب خوب نوازے گا۔ تم بدمستی میں خوب خوب بدکاریاں اور بدمعاشیاں کرو گے۔ خدا کے مقرر کیے ہوئے فرشتے تمھاری ایک ایک بدمعاشی کو لکھتے چلے جائیں گے۔ پھر اچانک موت کا فرشتہ تمھارے سر پر آ کھڑا ہوگا۔ اور تم اپنے کرتوت کا حساب دینے کے لیے دھر لیے جاؤ گے۔ * ...... (تفہیم)

خدا کی اسی خفیہ چال (مکر) کو قانونِ استدراج کہتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ تباہی کی طرف جانے کی چھوٹ دے دینا۔

ہوتا اصل میں یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اُٹھ کر صرف اللہ پر جم جاتی ہے۔ پھر جہاں سخت گھڑی گذری اور کام بن گیا پھر انسان خدا کو بھول کر اسباب پر آرہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ایسی ہی تکلیف اور سختی کا کوئی اور سبب کھڑا کر دے۔ کیونکہ خدا ہی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ڈور ہے۔ چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال سے اِسی کو ثابت فرمایا۔ * ...... (شاہ ولی اللہ)

واضح رہے کہ وہ ذات جو سب سے زیادہ قادر ہے، موانع دور کرنے اور اسباب مہیا کرنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھتی ہے۔ اس کے منصوبے اور تدبیریں بھی سب سے زیادہ تیز ہوں گی۔ دوسرے لفظوں میں وہ جس وقت کسی کو سزا دینے اور تنبیہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ فوراً عملی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جبکہ دوسرے اِس طرح سے نہیں کر سکتے۔

اِس لیئے انھیں تہدید کی گئی ہے کہ یہ گمان نہ کرو کہ یہ سازشیں اور منصوبے فراموش ہوجائیں گے، بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے، یعنی اعمال ثبت کرنے والے فرشتے اُن تمام منصوبوں اور سازشوں کو لکھ لیتے ہیں جنھیں تم نورِ حق کو خاموش کرنے کے لیے تیار کرتے ہو۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو جوابدہی اور دوسرے جہان میں سزا پانے کے لیے تیار کرلو۔ * ...... (تفسیر نمونہ ۸ ۲۱۱ تا ۲۱۳)

www.drhasanrizvi.org

هُوَالَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ۝ ۲۲

(۲۲) وہ اللہ ہی تو ہے جو تم کو خشکی اور تری میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوئے اور وہ اُن مسافروں کو لیکر ہوا کے موافق چلیں اور وہ اُس سفر سے خوش ہوئے ہی تھے کہ اچانک تیز ہوا کے جھکڑ آن پہنچے، اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگنے لگے اور مسافروں نے سمجھ لیا کہ اب وہ (طوفان میں) گھر چکے ہیں، تو اُس وقت وہ اپنے دین کو صرف اللہ ہی کیلئے خالص کرکے اللہ کو پکارنے لگے، کہ (اے اللہ!) اگر تو نے ہمیں اِس بلا سے بچالیا تو ہم ضرور تیرے شکر گذار بندے بن جائیں گے۔

معرفتِ خدا کا درس

تمام حرکت کرنے والی چیزوں کی بالکل آخری علتِ فاعلی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ درمیانی واسطوں سے بلند ہوکر علتِ حقیقی کو یاد دلایا جارہا ہے۔ انتہائی ابتلاء کے وقت فطری طور پر انسان کی توجہ اسباب سے ہٹ کر مسبب الاسباب پر جا پڑتی ہے۔ منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک تاجر نے پوچھا کہ "میں خدا کو کیسے پہچانوں؟" فرمایا: "کیا تم نے کبھی کشتی کا سفر کیا ہے؟" اُس نے کہا "ہاں"۔ فرمایا: "کبھی کشتی دریا کے درمیان ٹوٹی؟" کہا: "ہاں"۔ پوچھا: "اُس وقت تمہارے دل نے کیا کہا؟" اُس نے کہا: "دل نے کہا کہ اس وقت بھی ایک ذات ایسی ہے کہ اگر چاہے تو بچالے"۔ آپ نے فرمایا: "بس وہی تمہارا پروردگار ہے"۔ ...... (تفسیر کبیر)

توحید کے برحق ہونے کی یہ نشانی ہر انسان کے نفس میں موجود ہے جبتک حالات اچھے رہتے ہیں انسان خدا کو بھولا اور دنیا کی کامیابیوں پر پھولا رہتا ہے۔ جہاں حالات نے ساتھ چھوڑا اور اسباب ہاتھ سے نکلے تو پھر جتنے جھوٹے سہارے ہوتے ہیں، وہ ایک ایک کرکے ٹوٹتے چلے جاتے ہیں۔ ؎ "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"۔ (مولف)

www.drhasanrizvi.org

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۲۳

(۲۳) اس کے بعد جب خدا نے اُنھیں بچا لیا، تو پھر وہی لوگ ایک دم سے زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگے۔ اے لوگو! تمھاری یہ بغاوت خود تمھارے ہی خلاف ہے۔ (کیونکہ یہ) دنیا کے صرف چند دن کے مزے ہیں (جو تم لوٹ لو) پھر تو تمھیں (ہمیشہ کیلئے) ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔ اُس وقت ہم تمھیں بتادیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

مالِ دنیا اور اُس کا فساد

دُنیا کی زندگی اگر صرف دُنیوی اور مادّی منافع کے حصول یا حصولِ لذّات کے لیے گذاری جائے تو اُس کا حال یہی ہے کہ انسان مال سمیٹتے سمیٹتے، کاروبار جماتے جماتے، اولاد کو سیٹ کرتے کرتے جب اپنی پوری بہار پر پہنچتا ہے تو اُس کی موت کا حکم اُس کے سر پر آپہنچتا ہے۔ آناً فاناً سب کچھ چھوڑ کر چلتا بنا اور یہ تمام چیزیں، مال، اولاد، گھر بار، اُس کے لیے کٹے بھوسے کی طرح بالکل بے معنی اور بیکار ہو کر رہ گئیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے کہ: "جب موت کا وقت آتا ہے تو سب سے پہلے مرنے والے کے سامنے اُس کا مال مجسّم ہو کر آتا ہے۔ مرنے والا بڑی حسرت سے اُس سے کہتا ہے کہ میں نے خون پسینہ ایک کر کے تجھے کمایا اور جمع کیا، بتا آج تو میرے کیا کام آئے گا؟ مال کہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ میں تجھے قبر و کفن فراہم کر سکتا ہوں۔ مرنے والا یہ سن کر مایوس ہو جاتا ہے، پھر اُس کی اولاد اُس کے سامنے مجسّم ہو کر آتی ہے، وہ اولاد سے بھی یہی سوال کرتا ہے، اولاد کہتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر تم کو تمھاری قبر تک پہنچا سکتے ہیں۔ مرنے والا جب اولاد سے بھی مایوس ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے سامنے ایک حسین و جمیل وجود کو اپنے قریب دیکھتا ہے جو اُس کا بازو تھام کر کہتا ہے کہ نہ گھبرا، میں قبر میں، حشر و نشر میں، میزان و صراط پر، غرض ہر جگہ اور ہر مرحلے پر تیرے ساتھ رہوں گا، یہاں تک کہ جنّت میں تجھے پہنچا دوں۔ مرنے والا پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تیرا وہ اچھا عمل ہوں جو تو بڑی ناگواری کے ساتھ انجام دیا کرتا تھا۔" پتہ چلا کہ دنیا کی اصل کمائی اچھے اعمال ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ (۲۴)
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ
وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذَتِ
الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَ
ظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ
اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا
حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۴

اِس دنیا کی مثال تو بس اُس پانی جیسی ہے جسے ہم نے آسمان سے اُتارا تو اُس کے سبب سے زمین کی کھیتیاں، جسے آدمی اور جانور سب ہی کھاتے ہیں، مِل جُل کر پیدا ہوئیں اور خوب گھنی ہوگئیں، پھر عین اُس وقت جب زمین اپنی بہار پر تھی، خوبصورت ہو کر بن سنور چکی تھی، اور اُس کے رہنے والے مالک یہ سمجھ رہے تھے کہ بس اب تو ہمیں اس پر پورا قابو حاصل ہے، کہ یکایک رات میں یا دن میں ہمارا حکم آن پہنچا۔ تو ہم نے اُسے ایسا کٹا پٹا غارت کر دیا، گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اِس طرح ہم اپنی باتیں اور دلیلیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اُن لوگوں کیلئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

زندگی بھی عالمِ بالا سے پانی کی طرح آئی ہے

ٹھیک اِسی طرح دنیا کی زندگی کو سمجھو کہ یہ زندگی خواہ کتنی ہی دلکش، حسین اور تر و تازہ دکھائی دے، لیکن اُس کی یہ شادابی اور حُسن صرف چند روزہ ہے۔ چند دن کی چاندنی کے سوا کچھ نہیں۔ ★ ...... (عثمانی)

شاہ صاحب نے اس مثال کو نہایت لطیف انداز میں حیاتِ انسانی پر منطبق کیا ہے۔ زندگی بھی پانی کی طرح عالمِ بالا سے آئی۔ پھر جسمِ انسانی سے مل کر زندگی نے قوّت پائی۔ جب ہر خواب پورا ہوا اور انسان کو زندگی پر بھروسہ ہوا تو ناگہاں موت سر پر آ پہنچی جس نے ایکدم سے سارے کا سارا کھیل ہی ختم کر دیا۔ بس ہو چکی نماز مصلّے اُٹھائیے۔

آیت میں رات اور دن شاید اس لیے فرمایا کہ رات کو لوگ غافل ہوتے ہیں اور دن کو بیدار ہوتے ہیں۔ مطلب شاید یہ نکلا کہ جب خدا کا حکم موت آجاتا ہے تو پھر سوتا جاگتا، غافل یا بیدار، چالاک یا احمق کوئی کسی حال میں موت کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ ★..... (شاہ ولی اللہ)

www.drhasanrizvi.org

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَ (۲۵) يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ ۲۵

اور اللہ تم کو "دار السّلام" (یعنی) سلامتی کے گھر کی طرف بُلا رہا ہے۔ اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

سلام کے معنی ؟

جریر طبری نے "سلام" کے معنی قتادہ سے لکھے کہ: "سلام وہ ذات ہے جس کے ظلم سے اُس کی مخلوق سالم رہے۔" (السّلٰم ھو الذی یسلم خلقه من ظلمه) * (لغات القرآن نعمانی ج۳ ص۲۲۵)

اِس لیے خدا اپنے تمام افعال میں "سلٰم" ہے کیونکہ وہ نہ تو کسی قسم کی زیادتی کرتا ہے، نہ ظلم۔ *... (القرآن المبین)

اور "سلامتی کے گھر" سے مراد جنّت ہے۔ *..... (تفسیر علی ابن ابراہیم)

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ: "سلٰم اللہ کا نام ہے جس کا مظہر جنّت ہے۔ جو اُس نے اپنے دوستوں اور اطاعت کرنے والوں کے لیے پیدا کی ہے۔" *...... (تفسیر صافی ص۲۲۲)

اللہ کے بُلانے کے معنی

اللہ کے بلانے سے مراد اپنی کتاب، انبیاء کرامؑ اور ہماری عقل کے ذریعے سے اِتمامِ حجت کرنا ہے۔ یعنی عام ہدایت مراد ہے۔ اب جن میں طلبِ حق ہوتی ہے اور وہ حق کی طرف چلنا چاہتے ہیں، تو پھر خدا اُن کو اپنی نیک توفیقات سے نوازتا ہے۔ اِسی بات کو اِس طرح فرمایا: "خدا جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔" *....... (فصل الخطاب)

اللہ، بندوں کو اپنے احکامات کے ذریعے سے سلامتی کے گھر کی طرف بُلاتا ہے۔ یعنی فانی زندگی سے لافانی اور سلامتی کے گھر جنّت کی طرف بلاتا ہے۔ جنّت کو "دار السّلام" اِس لیے کہا گیا کہ جو اس میں داخل ہوگیا، وہ ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ ہوگیا۔ *..... (قرطبی - کبیر)

عارفین نے لکھا کہ یہ آیت انسانیت کیلئے خوشخبری بھی ہے اور عبرت بھی۔ منکرین کیلئے یہ آیت سرزنش ہے کہ وہ کیسی کیسی عظیم نعمتوں سے محروم رہے جا رہے ہیں اور عاشقوں کیلئے بشارت ہے کہ اُن کو خلوتِ خاص کے اشارے مل رہے ہیں اور مومنین کیلئے مژدہ ہے کہ اُن کیلئے خدا کی ہدایت اور سلامتی کی خوشخبری سنائی جا رہی ہے۔ (ماجدی)

www.drhasanrizvi.org

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ٢٦

(۲۶) جن لوگوں نے اچھے کام کیے ہوں گے، اُن کو ویسا ہی اچھا بدلہ ملے گا (بلکہ) اور مزید بڑھ چڑھ کر۔ اُن کے چہروں پر ذلت اور حقارت کی سیاہی نہ چھائے گی۔ یہی لوگ جنت والے ہیں، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

خدا کے نزدیک نیکیوں کا اجر عجیب و غریب

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس کی آنکھ سے ایک قطرۂ آنسو خدا کے خوف کی وجہ سے گرے گا، وہ شخص بروزِ محشر ذلت اور چہرے کی سیاہی سے بچ جائے گا۔ اور اس کے برعکس بدکار کو اگرچہ سزا بُرائی کے برابر ملے گی، لیکن اُس کا چہرہ سیاہ اور بدنما ہوگا جیسے کہ رات کا ٹکڑا۔ اور اسی ظاہری حلیے سے تمام اہلِ محشر جان لیں گے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ہے۔"

★ .... (الحدیث بحوالہ انوار النجف ج ۸ ص ۱۵۹)

"يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ" (سورۃ الرحمٰن آیت ۴۱)

(مجرم لوگ اپنی پیشانیوں سے پہچان لیے جائیں گے پس اُن کی پکڑ پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے ہوگی)

★ اور نیکوکار لوگوں کے لیے خدا کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۙ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۙ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۚ
(سورۃ المطففین آیات ۲۲ تا ۲۴)

(تحقیق نیکوکار لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ مسندوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے۔ تو اُن کے چہروں سے نعمتوں کی تازگی پہچان لیگا)

★ اور نیکوکار لوگوں کی جزا کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۱ میں ارشاد ہوا: (ترجمۂ آیت ملاحظہ فرمائیں)

"اور اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، اُس ایک دانہ (گندم) کی طرح سے جس سے سات بالیاں اُگتی ہیں اور ہر بالی میں سَو دانے ہوں (یعنی سات سَو) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا یا کئی گنا اور اضافہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تو بڑی وسعت والا ہے، اور اچھی طرح جانتا ہے (کہ کس کو کتنا دینا ہے)۔" (قرآن)

www.drhasanrizvi.org

سفید اور نورانی چہرے والے لوگوں کی جزاء اور تعریف

آیت میں ارشاد ہوا: "جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں اُن کے لیے اچھی اور زیادہ جزاء ہے۔"

(یعنی: لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ)

اس جملے میں "زِيَادَةٌ" سے کیا مراد ہے، اِس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ لیکن اِس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ آیاتِ قرآنی ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کئی گنا جزا وثواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ جزاء کبھی تو دس گنا ہوتی ہے اور کبھی ہزاروں گنا۔ (خلوص، پاکیزگی، تقویٰ اور عمل کے اعتبار سے)

سورۂ انعام کی آیت ۱۶۰ میں ارشاد ہوا:

" مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا "

یعنی: جو شخص کوئی اچھا کام انجام دے گا اُسے اُس کی دس گنا جزاء ملے گی۔

پھر سورۂ نساء کی آیت ۱۷۳ میں ارشاد ہوا:

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ

یعنی: "رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو خدا انھیں پوری جزا دے گا اور اپنے فضل سے اُس پر زیادہ بھی کرے گا۔"

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ یہ زیادتی دوسرے جہان میں متواتر اور ہمیشہ بڑھتی رہے۔ یعنی، ہر روز خدا کی طرف سے انھیں نئی نعمت اور لطف وکرم عطا ہوتا رہے۔ (جتنی بار خدا اپنے نیک بندوں کی طرف توجہ کی نظرِ کرم ڈالے اتنی ہی نعمتوں اور درجات میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔)

اِس آیت کی تفسیر میں پیغمبرِ اکرمؐ سے جو روایات نقل ہوئی ہیں اُن کے مطابق "زِيَادَةٌ" سے مراد پروردگار کی ذاتِ پاک کے جلوے کی طرف توجہ اور اُس عظیم معنوی نعمت سے استفادہ کرنا ہے۔

آیت میں اِس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اُس روز نیک لوگوں کے چہرے درخشاں ہوں گے۔ یہی لوگ اہلِ بہشت ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ہی اُس میں رہیں گے۔ * ..... (از تفسیر نمونہ) "زیادۃ" سے مراد خدا کا دیدار ہے۔ * ... (تفسیر کبیر)

(۲۷) وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ۲۷

اور جن لوگوں نے برائیاں (ہی برائیاں) کمائیں، تو اُن کی برائی جیسی ہوگی ویسی ہی وہ سزا پائیں گے۔[1] اُن پر ذلّت و خواری چھائی ہوئی ہوگی۔ اُن کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ (اُن کے چہروں پر تو ایسی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی کہ) گویا اُن کے چہروں کو اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیا گیا ہے۔[2] یہی لوگ جہنّم والے ہیں۔ اور وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

بدکاروں کے چہرے سیاہ ہوں گے

[1] پچھلی آیت میں نیک لوگوں کو نیک کاموں کے بدلے کے بارے میں خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ: "ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا" پھر فرمایا: "بلکہ بڑھ چڑھ کر دیا جائیگا"

لیکن بدکاروں کو بُرے کاموں کی سزا کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ: "اُن کی بُرائی جیسی ہوگی (بالکل) ویسی ہی وہ سزا پائیں گے۔"

اُن کی اس سزا میں اضافے اور زیادتی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ اس لیے کہ نیکی کا بدلہ نیکی سے زیادہ دینا تفضّل، مہربانی، رحمت اور عطا ہے لیکن بُرائی کا بدلہ بُرائی سے زیادہ دینا ظلم اور جور ہے۔ اور ظلم کرنا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے۔ ★ ..... (تفسیر تبیان)۔

[2] خدا کا فرمانا کہ "اُن کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے"۔ اِس تاریکی سے چہروں کی وہ سیاہی مراد ہے جو مجرموں کے چہروں پر (جرم میں) پکڑے جانے کے بعد مایوسی کی وجہ سے پھیل جاتی ہے۔ ★ ..... (تفہیم)

کوئی شخص اور کوئی چیز اُنھیں خدائی سزا سے نہ بچا سکے گی، وہ اہلِ دوزخ ہیں اور اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

www.drhasanrizvi.org

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ ٢٨

(۲۸) اور جس دن ہم اُن سب کو ایک ساتھ (اپنے سامنے) جمع کردیں گے، پھر اُن لوگوں سے جنھوں نے خدا کے ساتھ دوسرے خداؤں کو شریک قرار دیا تھا کہیں گے "اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے خدا بھی"۔ پھر ہم اُن کے درمیان تفرقہ ڈال دیں گے۔ تو اُن کے (بنائے ہوئے خدا کے) شریک کہیں گے کہ "تم تو ہماری عبادت[1] نہیں کرتے تھے"۔

روزِ محشر مشرکوں اور اُن کے معبودوں کا مکالمہ

مشرکوں کے لیے ساری سزاؤں سے بڑی سزا یہ ہوگی کہ خود اُن کے معبود اُن سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔ بقولِ شاعر: "جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے"

تفسیرِ قمّی میں ہے کہ "خدا ایک آگ پیدا کرے گا جو کافروں اور مومنوں کے درمیان حائل ہو جائے گی جو اُن کے باہمی تعلقات کو کاٹ دے گی۔ ★...... (تفسیر قمی۔ تفسیر صافی صـــ ۲۲۲)

[1] عبادت کرنے کے معنی غلام بن جانے کے ہیں پس انسان جس کی زیادہ سُنے گا اُسی کا بندہ ہوگا۔ (تفسیر صافی)

اجنبیت کے پردے کے ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کے معبود مشرکوں کے بالکل سامنے کھڑے ہوں گے تمام مشرکین جان لیں گے کہ یہ وہی ہیں جن کی ہم دنیا میں پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ اُن کو اپنا خدا اور داتا مانتے تھے اور وہ جھوٹے خدائی کے دعویدار بھی یہ جان لیں گے کہ یہی وہ احمق ہیں جو ہمیں خدا سمجھتے تھے۔

★...... (تفہیم)

ے "بندگی ہم نے چھوڑ دی ہے فراز ‏ ‏ کیا کریں لوگ جب خدا ہو جائیں"

جنھیں اُنھوں نے شریک بنایا تھا اُس وقت وہ بول اُٹھیں گے "اور کہیں گے تم ہرگز ہماری پرستش نہیں کرتے تھے"۔ تم درحقیقت ہوا و ہوس اور اپنے اوہام و خیالات کی پرستش کرتے تھے نہ کہ ہماری۔ علاوہ ازیں تمہارا یہ ہماری عبادت کرنا ہمارے فرمان سے نہ تھا اور نہ ہی ہماری رضا سے تھا اور ایسی عبادت دراصل عبادت ہی نہیں ہے۔

(از تفسیر نمونہ صـــ ۲۲۲)

www.drhasanrizvi.org

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ○ ٢٩ (٢٩) پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بہت کافی ہے کہ ہم تو تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر تھے۔

آخرت میں تمام جھوٹے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ انسانوں نے اپنے اوہام و خیالات کے مطابق جو رشتے جوڑ رکھے تھے' سب کے سب توڑ پھوڑ دیے جائیں گے۔ فرضی خداؤں سے جو جو توقّعات مشرکین نے باندھ رکھی تھیں وہ جھوٹے خدا انھیں وہاں صاف صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلّق ؟ تم اپنے خیالات میں جو خدائی اوصاف ہمارے لیے تجویز کرتے تھے' وہ ہم میں تھے ہی نہیں' اس لیے تم حقیقت میں ہماری عبادت کرتے ہی نہ تھے، اپنے اوہام کی عبادت کرتے تھے۔ یعنی ملائکہ اور مسیح یہ کہیں گے کہ تم ہماری عبادت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ بے جان مورتیوں کو پوجتے تھے۔ اس سے بڑی حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ تم نے خدا کے مقابلے پر بے جان مورتیوں کو پوجا۔ (ماجدی)

ظاہر ہے کہ یہ گفتگو یا ملائکہ کریں گے یا حضرت مسیح یا تمام وہ نیک خدا کے بندے جن کی پرستش کی گئی ہوگی یا ممکن ہے کہ خدا پتھر کی مورتیوں ہی کو بولنے کی صلاحیّت عطا کردے اور وہ کہیں کہ ہم تو تمہاری بندگی سے بے خبر تھے۔ ہم کو تو کچھ خبر ہی نہیں ہوئی کہ تم ہم بے جانوں کو پوجتے تھے۔ جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے گناہوں کی گواہیاں دیں گے اور جب ہم اُن سے پوچھیں گے کہ تم کیسے بولنے لگے ؟ تو وہ کہیں گے :

" انطقنا اللہ الذی انطق کل شیءٍ " یعنی: " ہم کو اُسی اللہ نے گویائی کی طاقت عطا فرمائی ہے جو ہر شے کو بولنے کی قوّت عطا فرماتا ہے۔ " (القرآن)

....

یہ معاملہ دورِ حاضر میں کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں رہا جبکہ ایک بے زبان ٹیپ ہماری تمام باتوں کو ریکارڈ کرتی ہے اور ضرورت کے وقت بیان کردیتی ہے' جبکہ یہ انسان کی ایجاد کردہ ہے۔ اس لیے بتوں کا بولنا اللہ کے حکم سے کیسے بعید ہوسکتا ہے جو مکمل قدرت والا ہے۔ قیامت کے دن تو انسان کے اعضاء و جوارح بھی کلام کریں گے۔ (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۳۰ ع

(۳۰) یہ وہ وقت ہوگا کہ جب ہر شخص اُس کام کا نتیجہ دیکھ لے گا جو وہ پہلے کر چکا ہے۔ اور سب کے سب اپنے حقیقی آقا اور مالک کی طرف پلٹا دیے جائیں گے۔ اور اُن کے وہ سارے کے سارے جھوٹ اور تہمتیں جو وہ گھڑا کرتے تھے بالکل ہی گُم ہو کر رہ جائیں گے۔

قیامت کے دن حقیقتوں کو جھٹلانے والوں کی پول کُھل کر سامنے آجائے گی

انسان مرتے ہی اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھ لیتا ہے کہ اس کے نیک اعمال اُس کے لیے مفید ہیں اور بُرے اعمال اُس کی تباہی کا سبب ہیں۔ اُس کا اجمالی علم تو مرتے ہی ہو جاتا ہے، مگر حشر کے دن اُس کا مفصّل علم ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اور حقیقی مالک کوئی گھڑا ہوا معبود نہیں۔ اور یہ بھی، کہ خدا پورے حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا ہے۔ گویا مرتے ہی توحید اور معاد کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ ..... * (ماجدی)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جھوٹے اور بے اصل توہمات رفوچکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص بالکل واضح طور پر اپنی برہنہ آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ سوا اُس سچّے مالک کے رُجوع کرنے کے کوئی چارہ نہیں۔ اور انسان کو اپنے تمام اچھے بُرے اعمال کا پوری طرح اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔ * ...... (عثمانی)

کیونکہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے پوشیدہ اور ظاہر تمام اعمال اُن کے سامنے کھول کر اسی طرح پیش کر دیے جائیں گے جیسے دنیا میں کسی ڈرامے کے اداکاروں کے کردار اُن کے اور سب لوگوں کے سامنے ٹی وی کے پردے پر دکھائے جاتے ہیں۔ کوئی اداکار اپنے اُن اعمال و افعال و مقال سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ کردار میرا نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح قیامت کے روز سب کچھ سامنے ہوگا جس سے انکار نہیں کیا جا سکے گا۔ (عبرت)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ۳۱

(۳۱) اُن سے پوچھو کہ آخر کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین میں سے روزی دیتا ہے؟ یہ سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں (دنیا) بھلا کس کے اختیار میں ہے؟ کون ہے جو بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان (مادوں) کو نکالتا ہے؟ کون ہے جو پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے؟ اِس پر وہ ضرور کہیں گے کہ "اللہ" تو کہو کہ پھر تم اتنی بڑی طاقت اور حقیقت کی مخالفت سے پرہیز کیوں نہیں کرتے؟ (یا) پھر تم اُس عظیم ذات کی ناراضگی سے اپنے بچاؤ کی فکر کیوں نہیں کرتے؟

اللہ اپنے امور کی طرف توجہ دلا رہا ہے

خدا "سننے کی طاقت اور نگاہوں کا مالک ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہی انسان کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں عطا فرماتا ہے۔ اور اُسی کی اجازت سے یہ طاقتیں کام بھی کرتی رہتی ہیں۔ *...... (تبیان)

مطلب یہ ہے کہ ایسے عجیب وغریب، عقل کو حیران کر دینے والے طریقے سے کس نے کان، آنکھ پیدا کر دیے؟ پھر ان کی حفاظت کا سامان بھی کر دیا۔ کون ہے جو اِن تمام قوائے انسانی کا حقیقی خالق و مالک ہے؟ کہ جب چاہے عطا کرے اور جب چاہے چھین لے۔ *...... (عثمانی)

اِس آیت میں خداوندِ عالم ایسی اہم چیزوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جن کو اُس کے دستِ قدرت نے وجود بخشا ہے، جو از خود پیدا نہیں ہوتی ہیں۔ آسمان سے روزی پیدا کرتا ہے۔ سورج کی روشنی، بارش کا تعلق آسمان سے ہی ہے جس کے بغیر زمین اور اہلِ زمین کی حیات ممکن نہیں، اسی طرح ہوا تمام ذی روح کے لیے کس قدر اہم ہے۔ پھر ان سب چیزوں میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہونا۔ وغیرہ یہ سب کاروبار اللہ کی قدرت کے عجائبات ہی ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ ○ ٣٢

(٣٢) غرض وہی اللہ تو تمہارا حقیقی پالنے والا مالک ہے۔ پھر اتنی بڑی حقیقت کو چھوڑ دینے کے بعد گمراہی کے سوا اور باقی رہ کیا گیا؟

آخر تم کدھر مڑے چلے جا رہے ہو؟

تبلیغ کا بہترین طریقہ

محققین نے لکھا کہ خالقیت، مالکیت اور ربوبیت کے سارے کام خدا کے ہیں' بالآخر وہی ہمارا پروردگار، آقا اور مالک ہے۔ اُسی کی عبادت یعنی کامل اطاعت ہمارا فریضہ ہے۔ دوسرے جن کا اِن تمام کاموں میں کوئی حصّہ نہیں، وہ بھلا خدا کے کہاں سے شریک بن گئے؟

غور فرمائیں کہ خدا عام مشرکوں سے یہ نہیں فرما رہا ہے کہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو؟ بلکہ فرما رہا ہے کہ "تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟" اِس سے ثابت ہوا کہ ضرور کوئی گمراہ فرد یا جماعت ہے جو لوگوں کو صحیح راستے سے ہٹا کر اُن کو غلط راستے کی طرف پھرا رہی ہے۔ اب ان مشرک عوام سے کہا جا رہا ہے کہ تم خود اپنی عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ فصاحت یہ ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا نام پتہ نہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ اُن کے مقلدین اور معتقدین جذباتی نہ ہو جائیں، بلکہ ٹھنڈے دل سے اپنی حماقت پر غور کریں۔ مشتعل نہ ہوں اور اپنا دماغی توازن بگڑنے نہ دیں۔ یہی تبلیغ کا بہترین طریقہ' کا رہے۔ .... (تفہیم)

آسمان و زمین میں خدا کی عظمت و تدبیر کے کچھ آثار ذکر کرنے کے بعد اور مخالفین کے وجدان و عقل کو دعوت دینے کے بعد جب وہ اعتراف کر چکے تو اگلی آیت میں قطعی لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے، "یہ ہے خدا، تمہارا برحق پروردگار (فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَقُّ) نہ کہ بُت اور دوسرے موجودات کہ جنھیں تم خدا کی عبودیت میں شریک قرار دیتے ہو اور ان کے سامنے سجدہ کرتے ہو اور اُن کی تعظیم کرتے ہو۔

اس کے بعد نتیجتاً فرمایا گیا ہے کہ اب جبکہ تم حق کو واضح طور پر پہچان چکے ہو، تو کیا حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ رہ جاتا ہے پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو۔ (فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ) ...... (از تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.org

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۳۳

(۳۳) غرض اس طرح (کی کھلی ہوئی عام فہم دلیلوں سے سمجھائے جانے کے بعد بھی) بُرے کام کرنے والے خدا کے نافرمانوں کے لیے تمھارے مالک کی بات بالکل سچ ثابت ہوئی کہ وہ (کسی بھی طرح) حق کو مان کر ہی نہ دیں گے۔

حق واضح ہونے کے بعد نافرمانی ضد ہے

خدا کا فرمانا کہ: "تمھارے مالک کی بات سچ ثابت ہوئی کہ وہ کسی طرح حق کو مان کر نہ دیں گے۔" (یہ ضد اور ہٹ دھرمی کے علاوہ اور کیا ہے)

اِس کی تشریح کرتے ہوئے شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا:

"یعنی اللہ نے ازل سے اُن کی قسمت میں یقین نہیں لکھا اور سبب اس کا بے حکمی" (تھا)
★...... (موضح القرآن)

آخری الفاظ سے ثابت ہوگیا کہ خدا کے فیصلے کا سبب ان کافروں کی بے حکمی، خدا کی نافرمانی اور مخالفت ہے۔ ایسا نہیں کہ اُن کی بے حکمی اور نافرمانی کا سبب خدا کا فیصلہ ہے۔ ★.... (فصل الخطاب)

بعض مفسرین نے "خدا کی بات" سے مراد "خدا کا سزا دینے کا فیصلہ" لکھا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ ایمان اختیار نہیں کریں گے۔ (اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ) ★...... (تفسیر تبیان)

آیت کا مفہوم

غرض آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسی کُھلی کُھلی، واضح، عام فہم دلیلوں سے حقیقتوں کو سمجھانے کے بعد بھی جو لوگ حق کو نہیں مانتے، تو وہ اِس لیے نہیں مانتے کہ اُنھوں نے خود فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اپنی ضد پر ہر قیمت پر قائم رہیں گے اور کسی طرح حق کو مان کر ہی نہ دیں گے۔ ★..... (تفہیم)

ایسے ضدّی، حق دشمن، جاہل اور متعصب لوگوں کے لیے خدا نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ ہرگز ہرگز حق کو نہ مانیں گے یعنی ایسے لوگوں کو خدا نے اُن کی گمراہیوں میں چھوڑ دیا ہے۔ گویا اُن کو اُن کے اختیار کیے ہوئے غلط راستے پر جانے کی اجازت دیدی ہے۔ اور ہدایت کی توفیق عطا فرمانے سے محروم کردیا ہے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۳۴ (۳۴) اُن سے پوچھو! کیا تمھارے (خدا کے لیے ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ہے جو کائنات کی تخلیق کی ابتداء کرسکتا ہو؟ اور اُس کو پھر دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہو؟ کہو کہ وہ صرف اللہ ہے جو کائنات کی تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے۔ (یعنی) کائنات کو پہلے پہل پیدا بھی کرتا ہے اور اُسے (فنا کرنے کے بعد پھر) دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔ پھر آخر تم کس اُلٹے راستے پر چلائے جارہے ہو۔؟

اپنے مالک و آقا سے انحراف

یعنی تمہاری ابتداء کا سرا بھی خدا کے ہاتھ میں ہے اور تمہاری انتہاء کا سرا بھی خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اب اِن دونوں سروں کے بیچ میں تم کسی دوسرے کی بندگی کیوں اختیار کررہے ہو؟

*...... (ماجدی)

دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ بھی خلق کی ہدایت کا سامان کرتا۔ اپنی کتاب اور انبیاء کو بھیجتا، مگر جب مخلوق کی ہدایت کا سامان صرف اور صرف ایک ہی طرف سے ہورہا ہے تو ماننا پڑے گا کہ خدا ایک اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔

*...... (فصل الخطاب)

حق اور باطل کی شناخت

اس آیت میں مبداء و معاد سے مربوط استدلال کو سلسلہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ ذرا ان مشرکوں سے پوچھو کہ "کیا تمھارے بنائے ہوئے معبودوں اور (خدا کے لیے ٹھہرائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ہے جو کائنات کی تخلیق کی ابتداء کرسکتا ہے؟ اور اُس کو پھر دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے"؟ یعنی "قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ"۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اے پیغمبرؐ "کہو کہ (یہ کام کرنے والا) صرف وہی اللہ ہے جو کائنات کی تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے یعنی کائنات کو پہلے پہل پیدا بھی کرتا ہے اور اُسے (فنا کرنے کے بعد پھر) دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔" اب تم حق سے روگردانی کرکے کدھر بھٹکے جارہے ہو۔؟

(ماجدی)

قُلۡ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ‌ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهۡدِىۡ لِلۡحَـقِّ‌ ؕ اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى‌ ۚ فَمَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ۝۳۵

(۳۵) پوچھو کہ کیا تمھارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہو؟ کہو، کہ وہ صرف اللہ ہی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف ہدایت کرے، وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود بھی اُس وقت تک سیدھا راستہ نہ پائے جب تک کہ اُسے راستہ نہ دکھایا جائے؟ تو آخر تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ کیسے (اُلٹے اُلٹے) فیصلے کرتے ہو۔؟

حق کی طرف ہدایت کرنے والے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ "جو حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں وہ (اوّلین اور حقیقی معنی میں) حضرت محمد مصطفےٰ ص اور ان کے بعد آلِ محمدؑ ہیں۔ اور جو خود ہدایت نہیں پاتے جبتک کہ اُن کو ہدایت نہ کی جائے وہ قریش اور وہ سب لوگ ہیں جو رسولِ خدا اور اُن کے اہلِ بیت کے مخالف ہیں۔" (تفسیر صافی ص۲۲۳ بحوالہ تفسیر قمی)

تمام ماہرین متفق ہیں کہ انسان کی ایک سب سے بڑی ضرورت یہ بھی ہے کہ اُسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ بتایا جائے۔ تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور مال اولاد کو صحیح طور پر استعمال کرسکے اور خدا کے بندوں کے لیے منفعت بخش ثابت ہو۔ اور اس طرح اپنی زندگی کو بحیثیت مجموعی کامیاب بنائے۔ اسی صحیح طریقہ، زندگی کا نام "حق" ہے۔ اور اِس حق کی طرف رہنمائی کرنے کا نام "ہدایت" ہے۔ اب خدا تمام مشرکوں سے یہ سوال کر رہا ہے کہ تم جن جن کو اپنا خدا سمجھتے ہو، کیا اُنھوں نے تمھیں زندگی صحیح طور پر بسر کرنے کا کوئی طریقہ بتایا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ کسی جھوٹے معبود نے اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون وغیرہ کے اصول آج تک نہیں سکھائے۔

رہے وہ انسان جنھوں نے زندگی کے اصول از خود بنائے اور لوگوں پر نافذ کیے تو وہ سب کے

www.drhasanrizvi.org

سب اپنی اپنی کمزوریوں میں گرفتار تھے یعنی اپنے اپنے تعصبات، دلچسپیوں، رُجحانات اور میلانات سے بلند ہرگز نہیں ہوسکتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے گروہوں کی طرفداری کی اور دوسرے گروہوں کے مفادات کے خلاف قوانین بنائے۔ (اسی لیے میر انیسؔ نے کیا خوب کہا :

؎ (دنیا میں تو سب کچھ ہے، پہ انصاف نہیں ہے)

اِس لیے اُن کے بنائے ہوئے قوانین کی پیروی پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ نہیں کی جاسکتی۔ وہ قوانین کبھی عدل وانصاف کے تقاضوں پر پورے نہیں اُتر سکتے۔

*...... (تفہیم)

صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہر قسم کی کمزوری، تعصب، گھٹیا رُجحان، میلانات، یا ذاتی دلچسپیوں اور مفادات سے بلند ہوسکتا ہے۔ اِس لیے کہ خدا کی ذات ہر نقص سے پاک ہے، اور ساری مخلوقات اُس کے لیے صرف اُس کی مخلوقات ہیں۔ اِس لیے صرف وہی سب کے لیے کامل انصاف پر مبنی قانون بنا سکتا ہے۔

آیت میں مبداء و معاد کے بعد درمیانی وسائط و وسائل کا ذکر ہے۔ یعنی جس طرح اوّل پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ زندہ کرنے والا خدا ہے، اسی طرح صحیح راہ بتانے والا بھی خدا ہی ہے ساری مخلوق اُسی کی رہنمائی کی محتاج ہے۔ بڑے بڑے مرسلینؑ تک اس بات کا اقرار کرتے چلے آرہے ہیں کہ خدا کی ہدایت توفیق اور دستگیری کے بغیر ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔ اتنی بڑی حقیقت جاننے کے بعد یہ کتنی بڑی گمراہی ہوگی کہ انسان اُس ہادیٔ مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے۔ یا مثلاً سرکش بادشاہوں، آمروں، برہمنوں، مہنتوں، فلسفیوں یا دوسرے ہدایت کرنے کے دعویداروں کی ناقص احمقانہ ہدایتوں پر عمل کرے۔ خاص کر اگلی آیت میں شرک کرنے والوں کو خاص طور پر للکارا گیا ہے کہ تم سوچو کہ آخر تمہارے ہاتھ میں کونسی ایسی دلیل ہے جس کی بنا پر تم توحید جیسے واضح برحق مسلک کو چھوڑ کر گمراہی کے گڑھے میں گرے چلے جارہے ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے پاس ظن، تخمین، اوہام اور اٹکل پچّو باتوں کے سوا کچھ نہیں رکھا۔ بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کے مقابلے پر کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

*...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ ۳۶

(۳۶) اُن میں سے اکثر لوگ صرف اپنے وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ (ایسے بے سروپا وہم و) گمان حق تک پہنچنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ اِس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بھی کررہے ہیں، اللہ اُس کو خوب جانتا ہے۔

ظن وگمان کی پیروی کا رد اور اثبات

یاد رہے کہ اِس آیت میں ظن یا گمان کی پیروی کو رد کیا گیا ہے، اِس لیے کہ توحید کا باب "اصولِ دین" میں شامل ہے اور اصولِ دین میں کوئی ظن یا گمان کی پیروی کو معتبر نہیں سمجھتا۔

اب فقہ اور مسائل شرعیّہ میں حجیت ظن فروعِ دین کا معاملہ ہے۔ وہاں اِس آیت سے استدلال کرنا قابلِ نظر ہے۔ مگر بعد میں جو یہ فرمایا گیا کہ " گمان حق تک پہنچنے میں کوئی فائدہ نہیں دیتا " تو اب یہ ایک اصول بن گیا۔ یہ اصولِ دین و فروعِ دین دونوں پر حاوی ہے۔ اب اہلِ سنّت کے مفسّرین کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہوگیا، کیونکہ وہ قیاس پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اِس لیے اُنھوں نے اِس آیت کی تفسیر میں قید لگادی کہ:

" بلاشبہ گمان حق تک پہنچنے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا"۔ اُن چیزوں میں جن میں یقین مطلوب ہے۔
*..... (فصل الخطاب، تفسیر جلالین)

مگر سوال پھر بھی باقی رہا کہ جو اصول آیت میں بیان کیا گیا ہے اس میں تو کوئی قید یا شرط نہیں۔ ؟

لیکن اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ وہ ظن جسے رسولِ خداؐ نے اپنے نظامِ حکیمانہ کی بنا پر جائز قرار دیا ہے، وہ ظن حقیقتاً ظن پر عمل کرنا نہیں کہا جائے گا۔ اِس لیے کہ رسولِ خداؐ کا قول خاص معاملات میں ظنِ علمی پر عمل کرنے کا جواز بن گیا۔ لہٰذا ایسے خاص مواقع پر ظن پر عمل کرنا آیت کی رو سے ممنوع نہیں ہوسکتا۔ (گویا ایسا ظن استثنار کی حیثیت رکھتا ہے۔) *..... (تفسیر تبیان)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ (٣٧) اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو اللہ کے سوا،
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ کسی اور کی طرف سے غلط طور پر بنا دیا گیا ہو۔
تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ بلکہ یہ تصدیق ہے اُس کی جو کہ پہلے آچکا ہے' اور یہ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ قانونِ الٰہی کی تفصیل بھی ہے۔ اِس میں کوئی
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٧ شک وشبہ نہیں ہے کہ یہ (قرآن)، مالکِ کائنات
اور تمام جہانوں کے پالنے والے آقا کی طرف سے ہے۔

یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اِس کا مقام بلند ترین ہے

یہاں قرآن نے خود اپنی خصوصیات بتائی ہیں کہ (١) یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ (٢) اِس میں احکامات کی تفصیل ہے۔ (٣) اِس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس میں ہر چیز یقینی ہے۔ (٤) یہ کتاب سارے عالمین کے پالنے والے کی جانب سے آئی ہے۔ (٥) اِس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ ★...... (ماجدی)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن انبیاءِ گذشتہ کی تعلیمات سے الگ کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہا ہے، بلکہ تمام گذشتہ انبیاءِ کرام کی تصدیق کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ اُسی خدا کا کلام ہے جسنے گذشتہ تمام انبیاءؑ کی رہنمائی فرمائی تھی۔ اگر قرآن کسی نئے مذہب کے بانی کے ذہن کی ایجاد ہوتا تو وہ ضرور یہ کوشش کرتا کہ پرانی صداقتوں کے ساتھ ساتھ کچھ اپنا خاص اور نرالا رنگ ڈھنگ بھی ملا کر اپنی امتیازی شان پیدا کی جائے۔ مگر ایسا نہیں۔ بلکہ قرآن تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کا خلاصہ، عطر، لُبِ لباب اور حاصل ہے۔ اِسی لیے قرآن کو "الکتاب" کہا گیا ہے۔ یعنی تمام آسمانی کتابوں کا مجموعہ۔ کیونکہ قرآن میں تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کو دلائل وبراہین کے ساتھ تشریح وتوضیح کرتے ہوئے عملی انطباق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ★....... (تفہیم)

★.... قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اس صداقت پر گواہ ہیں۔ قرآن اُن کتابوں کے اصل مضامین کی حفاظت بھی کرتا ہے اور ان کی صداقت کو بھی ثابت کرتا ہے۔
★.... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ ۳۸

(۳۸) کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اُسے از خود (اپنی طرف سے) گھڑ لیا ہے؟ کہو کہ اگر تم سچے ہو تو پھر اس جیسا ایک سورہ ہی بنا کرلے آؤ اور بس ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو اپنی مدد کے لیے بُلا سکتے ہو، اُسے بُلا لو۔

قرآن کا چیلنج اور اُس کا مفہوم

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ چیلنج قرآن کی فصاحت و بلاغت اور صرف اُس کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے ہے لیکن قرآن کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ قرآن میں صرف لفظی محاسن کا ہی کمال نہیں ہے۔ بے شک قرآن اپنی زبان اور اندازِ کلام کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے، مگر اصل چیز جس کی بنا پر قرآن کو انسانی دماغ کی تصنیف نہیں کہا جاسکتا، وہ قرآن کے لاجواب مضامین اور تعلیمات ہیں یہی وہ چیز ہے جس کے بیان پر کوئی انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ * ...... (تفہیم)

آیت کا آخری مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خود قرآن گھڑ لایا ہوں تو تم سب ملکر ہی اُس کی جیسی ایک سورت ہی گھڑ لاؤ۔ ساری مخلوقات کو اپنے ساتھ ملالو۔ تمام عالم کے علماء و فصحاء، پڑھے لکھے اسکالروں، ادیبوں، شاعروں کو جمع کرلو اور ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کردو۔ تو ہم مان لیں گے کہ قرآن بھی انسان ہی کا کلام ہے جس کی مثل لوگ لاسکتے ہیں، مگر آج تک کوئی ایسا کرنے کی ہمت تک نہ کرسکا۔ (یہودی جو آج دنیا میں علم و ہنر کے اعتبار سے بھی اور مال و دولت کے اعتبار سے بھی دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں اور جبکہ اُن کی قرآن دشمنی بھی ضرب المثل ہے، وہ بھی ایسا نہ کرسکے کہ ایک سورے کے جیسی چند آیتیں بنواکر مسلمانوں کے منہ پر دے مارتے اور اس طرح قرآن کے چیلنج کو توڑ دیتے۔) (ماجدی)

اس کے علاوہ قرآن میں تہذیب، اخلاق، تمدن، معاشرت، حکومت، سیاست، معرفت، روحانیت، تزکیۂ نفس، تنویرِ قلوب، وصول الی اللہ اور مخلوق کی صلاح و فلاح کے تمام قوانین بھی موجود ہیں اور ہماری غرضِ تخلیق کے تمام تقاضے پورے کرنے کا سامان بھی موجود ہے۔ ایسی کتاب کو پیش کرنا ایک ایسے آدمی کے لیے کیسے ممکن تصور کیا جاسکتا ہے

www.drhasanrizvi.org

جس نے کسی انسان سے کسی قسم کی کوئی تعلیم کبھی حاصل نہ کی ہو۔ اس کے بعد پھر اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع ولیز یا موثر ترین اندازِ بیان، دریا کی سی روانی، سہلِ ممتنع سلاست اور جادو بیانی، اسالیبِ کلام کا تفنن، پھر اس میں بلا کی لذت، حلاوت اور چاشنی، پھر شہنشاہانہ شان وشوکت، گھن گرج اور نہایت زور شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو بار بار مقابلے کا چیلنج دینا از خود بتا رہا ہے کہ یہ کلام صرف اور صرف خالقِ کائنات ہی کا ہو سکتا ہے۔ جو خالقِ کلام بھی ہے۔ جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے بنائے ہوئے سورج جیسا سورج، خدا کے بنائے ہوئے آسمان جیسا آسمان کوئی نہیں پیدا کر سکتا، اسی طرح قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز ہے۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ کوشش کرتے ہیں مگر مقابلے کے جوش میں خود کٹ مرتے ہیں۔ قرآن کے مقابلے میں آج تک کوئی حیلہ، کوئی داؤ پیچ، کوئی بدمعاشی کامیاب نہ ہو سکی اور نہ قیامت تک کامیاب ہو سکے گی۔ کیونکہ پوری کائنات مل کر بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا مثل نہیں لا سکے گی۔ (عثمانی)

خدا نے ارشاد فرمایا:

" قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ " (بنی اسرائیل آیت ۸۸)

(کہدیجیے کہ اگرچہ تمام اِنس وجِن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل (دوسرا قرآن) لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔)

(قرآن) ۱۰۰۰۰۰* ......

قرآنی آیات میں کبھی تمام قرآن کے مقابلے کی دعوت دی گئی ہے، کبھی دس سورتوں کی طرف دعوت دی اور کبھی صرف ایک ہی سورت بنا کر لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ قرآن کی اس دعوت سے پتہ چلا کہ دراصل قرآن کا جزو ہو یا کُل سب کا سب اعجاز ہے۔ جیسے قرآن کبھی پوری کائنات پیدا کرنے کا چیلنج دیتا ہے تو کبھی ایک صرف ایک مکھی پیدا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.org

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ ۳۹

(۳۹) بلکہ (حقیقتاً) اُن لوگوں نے اُس چیز کو جھٹلایا ہے جس کے علم پر وہ حاوی نہیں ہیں۔ (یعنی، جس کو وہ پوری طرح جانتے بھی نہیں) اور جس کی حقیقت ابھی تک اُن کے سامنے نہیں آئی ہے۔ اِسی طرح وہ لوگ بھی جھٹلاتے رہے ہیں جو اُن سے پہلے تھے۔ تو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا اُن ظالموں کا؟

علم معرفت کی پیداوار اور ذریعہ

منکرینِ حق نے بغیر حقائق جانے یا بغیر غور و فکر کیے قرآن کی تکذیب کی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کو حق سے اور رسولِ خداؐ سے نفرت تھی۔ کیونکہ ان کو اپنے باپ دادا کے احمقانہ دین سے محبت تھی۔ جبکہ قرآن دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے۔ (۱) نظمِ کلام (۲) غیب کی خبریں۔ ★...... (تفسیر صافی صـ ۲۲۳)

اکابرین و محققین نے نتیجہ نکالا کہ: "ہر وہ بات جو ہمیں معلوم نہ ہو اور ہمارا علم اس کا پورا پورا احاطہ نہ کر سکے، اُس کا انکار جہالت ہے۔" اِسی طرح امام مھدیؑ کی غیبت ہے، جو معتبر احادیث سے ثابت ہے۔ اگر عقل اس کا پورا پورا احاطہ بھی نہ کر سکے تو بھی اس کا انکار جائز نہیں۔ ★.... (تفسیر علی ابن ابراہیم)

عقیدۂ رجعت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے رجعت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"تم مجھ سے وہ باتیں پوچھ رہے ہو جن کا وقت ابھی نہیں آیا۔" پھر آپؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ★...... (تفسیر عیاشی)

انسان کی ناسمجھی

خدا کا فرمانا کہ: "جس کی حقیقت ابھی تک اُن کے سامنے نہیں آئی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی جلد بازی ہے کہ جس بات کو پوری طرح نہیں سمجھتا اُس کا انکار کر دیتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا "اور ابھی وہ جس پر اس کا وعدہ منطبق ہوتا ہے، آیا نہیں۔"

www.drhasanrizvi.org

اور اُن کے بیٹے شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا:

" اِس کی حقیقت نہیں آئی۔ یعنی جو وعدہ ہے قرآن میں وہ ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے۔"

٭...... (موضح القرآن)

شیعہ تفاسیر میں بتایا گیا کہ یہ آیت رجعت کے بارے میں ہے۔ اب جو اِس حقیقت کو نہیں سمجھے وہ جلد بازی میں اس کا انکار کردیتے ہیں۔ ٭...... (تفسیر علی بن ابراہیم)

اصل استدلال

مطلب یہ ہے کہ: قرآن کے منکروں نے قرآن کا انکار اِس لیے نہیں کیا کہ اُنھوں نے تحقیق کرلی ہو کہ (معاذاللہ) قرآن ایک جعلی کتاب ہے۔ یا جو حقیقتیں قرآنِ پاک میں بیان کی گئی ہیں وہ علمی طور پر غلط ثابت ہوچکی ہیں۔ یا اُنھوں نے پردۂ غیب کے پیچھے جھانک کر معلوم کرلیا ہے کہ حقیقتاً کوئی خدا موجود نہیں، نہ کوئی فرشتہ ہے اور نہ جنّت جہنّم کوئی چیز ہیں۔ منکرینِ حق تحقیق یا علم کی بنا پر ابدی حقیقتوں کا انکار نہیں کررہے ہیں، بلکہ صرف اٹکل پچّو نرے اپنے اوٹ پٹانگ گمان کی بنا پر قرآن اور ابدی حقیقتوں کا انکار کررہے ہیں۔ اُن کے انکار کی کوئی علمی عقلی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔

٭...... (تفہیم)

بعض مفسّرین نے اِس آیت کے لفظ "تاویل" کے معنی تفسیر کے لیے ہیں۔ یعنی قرآن کے مطالب اور مضامین اُن کے دماغ میں نہیں اُترتے۔ اور بعض مفسّرین نے تاویل سے مراد پیشین گوئیاں لی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تکذیب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن نے جو پیشین گوئیاں کی ہیں ابھی اُن میں سے بہت سوں کے پورے ہونے کا وقت نہیں آیا ہے۔ اِس لیے سادہ لوح قسم کے احمق لوگ قرآن کی تکذیب کررہے ہیں۔ حالانکہ اِس بنیاد پر قرآن کی تکذیب کا کوئی جواز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ توقف یا انتظار کیا جاسکتا ہے۔ ٭...... (عثمانی)

وہ قرآن کا انکار اشکالات اور اعتراضات کی بنا پر نہیں کرتے تھے، بلکہ اُن کی تکذیب اِس وجہ سے تھی کہ وہ اس کے مضامین سے آگاہ نہیں تھے۔ درحقیقت اُن کے انکار کا عامل اور سبب اُن کی عدمِ آگہی اور جہالت تھی۔

...... (از تفسیر نمونہ ص ۲۳۸)

www.drhasanrizvi.org

وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ (۴۰) ۴ ع ۹

اور اُن میں سے کچھ لوگ تو ایمان لاکر حق کو مان لیں گے اور کچھ نہ مانیں گے۔ اور تیرا پالنے والا[۱] مالک (ایسے) فسادیوں کو خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۴۱)

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرمادیں کہ: "میرے لیے میرے اعمال ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ جو کچھ بھی کہ میں کرتا ہوں تم اس کی ذمہ داری سے بے تعلق اور بری ہو۔ اور جو کچھ کہ تم کر رہے ہو اُسکی ذمہ داری سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"[۲]

منکرینِ حق جان بوجھ کر فساد برپا کرتے ہیں

[۱] خدا کا یہ فرمانا کہ: "تیرا پالنے والا مالک مفسدوں کو خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔"

یعنی، یہ بدمعاش منکرینِ حق دنیا کا منھ تو کسی نہ کسی طرح بند کرا سکتے ہیں، مگر جو گندگی تعصب اور مفاد پرستی اِن کے دل و دماغ میں چھپی ہوئی ہے، خدا اُس کو خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ یہ کن کن مفادات کے تحت اپنے ضمیر کا سودا کر رہے ہیں؟ کن کن وجوہات کی بنا پر اپنے دل میں حق کی گواہی کو اُبھرنے سے روک رہے ہیں؟ کیوں اور کس لیے حق کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے؟ یہ لوگ اپنی کن کن خواہشوں، رغبتوں اور دلچسپیوں کے غلام بنے ہوئے ہیں؟ غرض یہ لوگ "بے گناہ گمراہ" نہیں ہیں بلکہ جان بوجھ کر فساد پھیلا رہے ہیں۔ (تفہیم)

[۲] جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد ⁂ پر طبیعت ادھر نہیں آتی (غالب)

(آیت ۴۱ : ۳) اہلِ عرفان جب کسی کو ضد اور ہٹ سے کام لیتے دیکھتے ہیں تو اُس سے برأت کر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں، مگر اہلِ ظاہر مناظرہ، مباحثہ اور کج بحثیاں کرتے ہی رہتے ہیں، اور اِس طرح کی برأت کو اپنے لیے توہین خیال کرتے ہیں۔ ...... (روح المعانی)

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ ؕ (۴۲) اُن میں کچھ تو وہ ہیں جو (بظاہر تو) آپؐ کی
اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا باتیں بڑی توجّہ سے سنتے ہیں۔ مگر کیا آپؐ بہروں
لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝۴۲ کو سُنا دیں گے؟ چاہے وہ عقل سے بھی کچھ کام نہ لیتے ہوں؟
وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ ؕ (۴۳) اور اُن میں سے بہت سے لوگ ہیں جو آپؐ کو نظر اُٹھا
اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ کر دیکھتے تو ہیں، مگر کیا آپؐ اندھوں کو راستہ دکھا
كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝۴۳ دیں گے؟ چاہے وہ دیکھیں بھی نہ[۲] (وہ دیکھنا نہ چاہیں)

عقل کے اندھے

[۱] یہ آیت عقل کے اندھوں اور کان کے بہروں، یعنی حق کو سننے کے لیے تیار نہ ہونے والوں سے کھلم کھلا تبرّا یعنی بیزاری اور علیحدگی کی تاکید کررہی ہے، جو نہ تو بصیرت سے کام لیتے ہیں اور نہ بصارت سے۔ *...... (تفسیر صافی ص۲۲۳)

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑے اور کج بحثیوں سے کیا فائدہ؟ اگر میں خدا پر جھوٹ باندھ رہا ہوں تو اُس کی ذمّے داری تم پر نہیں۔ خدا خود مجھ سے نمٹ لینے کے لیے بہت کافی ہے۔ اور اگر تم سچ بات کو یعنی قرآن کو جھٹلا رہے ہو، تو تمھارے جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا، حشر نشر ہوگا، وہ تمھارا ہی ہوگا۔ *...... (عثمانی)

آنکھوں کے اندھے

[۲] پیغمبر اکرمؐ کو تسلّی دی جارہی ہے کہ جو لوگ توجہ سے سنتے ہیں تو وہ آپؐ سے متاثر ہوتے ہیں اور حقائق پر ایمان لاتے ہیں مگر جو آنکھیں اور کان ہوتے ہوئے اندھے اور بہرے ہی بنے رہیں، تو اُن کی فکر نہ کریں۔ آپؐ کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ حق بات اُنھیں سُنا دیں اور راہِ حق دکھا دیں۔ *...... (فصل الخطاب)

آیت کا مقصد

مقصد یہ ہے کہ صرف سر کی آنکھیں کھولے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ یوں تو جانور بھی دیکھ سکتا ہے۔ اصل چیز دل، عقل اور ضمیر کی آنکھیں کھولنا ہوتا ہے۔ اگر دل اور ضمیر کی آنکھیں نہ کھولیں تو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ دکھائی سُجھائی نہیں دیتا۔ ؎ (دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ::: آنکھ کا نور دل کا نور نہیں) (اقبال)

اِن دونوں آیتوں میں بظاہر تو خطاب جنابِ رسولِ خداؐ سے ہو رہا ہے لیکن ہٹ دھرم حق دشمن لوگوں کو پھٹکارا جارہا ہے۔ تاکہ طنز کے نشتر سے ضمیر میں چُبھن پیدا ہوسکے اور تاکہ معقول باتوں اور نصیحتوں کا اُن پر اثر ہوسکے۔ *...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡـًٔا (۴۴) حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کبھی انسانوں پر
وَّ لٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ۝۴۴ ظلم نہیں کیا کرتا۔ بلکہ لوگ خود اپنے ہی اوپر
ظلم کیا کرتے ہیں۔

عقل وضمیر کی موت

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو انھیں کان بھی دیے ہیں اور آنکھیں بھی دی ہیں۔ دل، دماغ اور ضمیر کی نعمتوں سے بھی نوازا ہے۔ پھر اپنی ہدایتیں بھی دی ہیں۔ غرض ہر وہ چیز دی ہے جو حق اور باطل کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کے لیے ضروری تھی۔ مگر ان لوگوں نے اپنی خواہشات کے پیچھے دنیا کے عشق میں مبتلا ہو کر، اپنی ہی آنکھیں پھوڑ لی ہیں، اپنے کان بہرے کر لیے ہیں۔ اپنے دل، دماغ اور ضمیر کو اتنا بے کار اور مسخ کر دیا ہے کہ اب بھلے برے کی تمیز کرنے کی صلاحیت ہی ان میں ختم ہوگئی ہے۔ ★ .... (تفہیم)

اس لیے کہ انسان جب کسی چیز کو استعمال ہی نہیں کرتا تو وہ چیز یا وہ صلاحیت کام کرنا بند کر دیتی ہے۔ تعطل موت کا سبب ہوتا ہے۔ عقل وضمیر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اب ان کے عقل وضمیر مر چکے ہیں۔

مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس
یوں تو کالج کا جواں زندہ نظر آتا ہے (اقبال)

یعنی بعضوں کے دل پر اثر نہیں ہوتا تو ان کا قصور یہ ہے کہ وہ اپنی عقل ونگاہ کو تعصب اور آبا پرستی سے صاف کر کے نہیں سنتے۔ ★ ..... (موضح القرآن)

جن کے دلوں پر قرآن کا اثر نہیں ہوتا، تو یہ خود ان کی اپنی تقصیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں، غفلتوں بدکاریوں، اور غلط کاریوں سے انھوں نے اپنی عقل وفہم اور طلبِ حق کو برباد کر دیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت میں خدا نے ہر شخص کو سوچنے سمجھنے اور حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔
★ ...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ۝۴۵

اور جس دن ہم انھیں قیامت میں اُٹھا کر جمع کریں گے (تو اُن کو معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر صرف ایک گھڑی بھر۔ اور وہ آپس میں ایکدوسرے کو پہچان بھی رہے ہوں گے (اُس وقت یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ) یقیناً سخت نقصان میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے اپنی ملاقات کو جھٹلایا (یعنی) جو اللہ سے ملنے کو غلط سمجھتے تھے، اور یہ بھی (آشکار ہو جائے گا) کہ وہ ہرگز ٹھیک راستے پر نہ تھے۔

روزِ محشر منکرین حق کو احساس ہوگا

؎ خواب میں انسان کیسے لمبے لمبے عرصے گذارتا ہے لیکن جاگتے ہی اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ ابھی ابھی تو سویا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک عالم میں وقت کا احساس کچھ اور ہوتا ہے اور دوسرے میں کچھ اور۔ ..... (ماجدی)

یاد رہے کہ قبروں سے اُٹھائے جانے کے بعد تو سب ایکدوسرے کو پہچان رہے ہوں گے مگر پھر قیامت کی دہشت میں ایسا بدحواسی اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ پہچانے گا۔ ..... (جلالین)

ایک طرف تو آخرت کی بے پایاں، لامحدود زندگی اُن کے سامنے ہوگی، اور دوسری طرف جب وہ اپنی دنیا کی مختصر زندگی پر نظر ڈالیں گے، تو اُن کو اُس طویل زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی یعنی اپنا ماضی بالکل چھوٹا اور حقیر معلوم ہوگا۔ تب اُن کو اندازہ ہوگا کہ اُنھوں نے اپنی پچھلی دنیوی زندگی کی تھوڑی سی لذتوں کی خاطر اپنی ابدی، دائمی، لامحدود زندگی کو تباہ کر کے کتنی بڑی حماقت کی۔ ..... (تفہیم)

؎ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ⁂ ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا۔
..... (اقبال)

آیت کا مفہوم: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ روزِ قیامت کی طویل حشر سامانیوں، ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کو دیکھ کر زندگی بھر کا عیش و آرام انسان کو اسقدر کم، حقیر اور ذلیل دکھائی دیگا کہ گویا وہ دنیا میں ایک گھڑی (گھنٹہ) سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے۔ پھر سب افسوس کریں گے کہ ساری عمر میلوں ٹھیلوں اور فضول کاریوں میں گذار دی جیسے کوئی گھنٹہ آدھا گھنٹہ گپ شپ میں بیکار گذار دیتا ہے۔ ہر شخص کو یہ معلوم ہوگا کہ دنیا میں بس گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور اب یہاں آن پھنسے۔ (کاش کہ دنیا میں آخرت کے لیے کچھ کام کیا ہوتا تو آج اس ابدی ہلاکت میں نہ گرفتار ہوتے۔) .... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۴۶

(۴۶) اور چاہے ہم آپؐ کو (وہ بُرے نتائج) آنکھوں سے دکھا دیں جن سے ہم اُنھیں ڈرا رہے ہیں، (یا) جن (سزاؤں) کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں، یا اُس سے پہلے ہی آپؐ کو دنیا سے اُٹھالیں، (بہرحال) اُنھیں آنا تو ہمارے ہی پاس ہے، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اُس پر تو اللہ خود گواہ ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۴۷

(۴۷) اور ہر قوم کے لیے خدا کا ایک پیغام پہنچانے والا ہوتا ہے۔ پھر جب کسی قوم کے پاس اُس کا پیغام پہنچانے والا رسولؐ آجاتا ہے تو اُس قوم کے ساتھ پورے پورے انصاف کے مطابق فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُس قوم پر (قطعًا) ظلم نہیں کیا جاتا۔

خدا کے وعدے

(آیت ۴۶) یعنی ہم نے کفّار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب کرنے کے جو وعدے کیے ہیں وہ بہرصورت یقینی طور پر سب کے سب پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر کسی وجہ سے دشمنانِ حق کو دنیا میں سزا نہیں بھی دی گئی تو آخرت میں اُن کو ہرگز بخشا نہ جائے گا۔ وہ بھلا ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں؟ سب کے سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم اُن کے سارے افکار و اعمال کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ★ ...... (عثمانی)

ہر اُمّت کے لیے ایک ہادی و رہنما کا ہونا خدا کے نظامِ عدل میں ہے

(آیت ۴۷) محقّقین نے نتیجہ نکالا ہے (۱) جن ملکوں میں رسولوںؑ کے آنے کی تحقیق نہیں ہوئی ہے وہاں کے مشہور ہادیوں عالموں کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے۔ ممکن ہے کہ وہی لوگ

www.drhasanrizvi.org

رسولؑ ہوں یا کسی رسولؑ کے نائب ہوں۔ * ...... (ماجدی)

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ خدا کی طرف سے رہنما، کے آئے بغیر اتمامِ حجت نہیں ہوتا۔ اِس لیے سزا کا جواز بھی نہیں ہوتا۔ مگر جب خدا کے بھیجے ہوئے رہنما، آجاتے ہیں تو اُن کے مخالفوں کے لیے سزا کا جواز پیدا جاتا ہے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا: "عمل آگے سے ہوتے ہیں۔ لیکن رسولؑ کے پہنچے کے بعد سزا ملتی ہے۔" * ...... (موضح القرآن)

خدا کا فرمانا کہ: "ہر اُمّت کے لیے ایک رسولؑ ہے"

تو اِس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اُمّت کے درمیان رسولؐ زندہ بھی ہو۔ بلکہ جب تک اُس رسولؑ کی تعلیم موجود ہے اور ہر شخص اُس کی تعلیمات کو معلوم کر سکتا ہے، اُس وقت تک اُس زمانے کے لوگ اُس رسولؐ کی اُمّت کہلائیں گے۔ اِسی طرح سے حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آنے کے بعد تمام دنیائے انسانیت (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اُمّت ہے! اور اُس وقت تک رہیں گے کہ جب تک قرآن اپنی خالص شکل میں شائع ہوتا رہے گا۔ اسی لیے آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ: "ہر قوم میں ایک رسولؐ ہے۔" * ...... (تفہیم)

خدا کا عدل

محققین نے نتیجہ نکالا کہ خدا کے ہاں کسی قسم کا کوئی ظلم یا اندھیر نہیں کہ لوگوں کو حقائق بتائے بغیر اور مجرم کا جُرم ثابت کیے بغیر سزا اسنادی جائے۔ قیامت میں باقاعدہ ہر مجرم کی پیشی ہوگی۔ فردِ جُرم لگائے جائیں گے۔ گواہوں پر گواہ پیش ہوں گے۔ ہر قوم کے ساتھ اُن کے پیغمبر (یا امام) موجود ہوں گے۔ اُن سب کے مفصّل بیانات کے بعد نہایت انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔ جیسا کہ خدا خود فرماتا ہے:

"وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝" (سورۃ الزمر آیت ۶۹ / ۳۹) یعنی: "زمین اپنے ربّ کے نور سے جگمگا اُٹھے گی، اور کتابِ اعمال (کھول کر) رکھی جائے گی اور انبیاؑ اور شہدا لائے جائیں گے، اور اُن کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا، اور اُن پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔" * ...... (شیخ الاسلام عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (۴۸) اور وہ کہتے ہیں کہ آخر تمھارا یہ (عذاب کا)
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۴۸ وعدہ کب پورا ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ (تو ابھی لے آؤ)
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا (۴۹) آپؐ فرمادیں کہ میں تو خود اپنے لیے بھی نہ تو کسی
وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ لِكُلِّ نقصان پر قابو رکھتا ہوں اور نہ کسی نفع پر، مگر
اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جو بھی اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے) ہر قوم کی
فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا ایک عمر ہوتی ہے۔ جب اُن کی عمر پوری ہوجاتی
يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ ۴۹ ہے تو پھر ذرا سی دیر نہ تو وہ پیچھے ہٹتے ہیں اور
اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

۱؎ میں تو خود اپنے ضرر و نفع کا مختار نہیں ہوں

یعنی کفّار عذاب کے وقت کے متعلق پیغمبر سے پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا؟ اُن کے جواب میں (اے رسولؐ!) کہدو کہ "میں تو خود اپنے نفس کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، مگر اتنا کہ خدا چاہے اور یہ کہ ہر اُمّت کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے، جب اُن کا وقت آجاتا ہے تو ایک لمحہ نہ اُس سے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے پاس تمھارے عذاب یا موت کی تاریخ معیّن نہیں ہے۔ اور جناب رسولِ خداؐ سے خدا کا یہ کہلوانا کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو کچھ خدا چاہے۔ یہ ایک تنبیہ ہے کہ وہ بھی خدا ہی کو اپنے نفع و نقصان کا مالک جانیں اور ضرر و نفع کے بارے میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلے سے خدا ہی سے مانگیں۔ ★ . . . . . (تفسیر انوار النجف) ملخص

۲؎ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

"یہاں" اجل "سے مراد موت کا وہ مقررہ وقت ہے جو شبِ قدر میں فرشتوں کو بتادیا جاتا ہے۔
★. . . . (تفسیر عیاشی)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسولؐ کے پیغام کا کسی قوم تک پہنچنا، گویا اُس قوم پر اللہ کی حجت

www.drhasanrizvi.org

(دلیل)، کا پورا ہونا ہوتا ہے۔ اس کے بعد صرف جزا و سزا کا فیصلہ کرنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اور یہ فیصلہ خدا خود فرماتا ہے، جو انصاف کے تمام تقاضوں کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جو لوگ سچے رسول کی بات قولاً اور عملاً مان لیتے ہیں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں، اور جو لوگ رسولِ خدا کی بات نہیں مانتے وہ خدا کی سزا کے مستحق ہوجاتے ہیں، خواہ وہ سزا دنیا اور آخرت دونوں ہی میں دی جائے یا صرف آخرت میں سخت ترین سزا کی شکل میں دی جائے، اور دنیا میں انھیں چھوڑ دیا جائے۔

دوسری بات آیت میں رسولؐ کی زبانی یہ کہی جارہی ہے کہ "میں نے یہ کب کہا تھا کہ میں فیصلہ چکاؤں گا؟ میں نہ ماننے والوں کو سزا دوں گا، اس لئے مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ فیصلہ کب کروگے؟ سزا کب دوگے۔؟ دھمکی تو اصل میں اللہ نے دی ہے، اس لیے وہی جب چاہے گا فیصلہ سنائے گا اور جس طرح چاہے گا سزا دے گا، مگر یاد رہے کہ خدا جلد باز نہیں ہے۔ اُس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو خدا کے پیغام کو نہیں مانتا، فوراً اُس کو سزا میں پکڑ لے۔ خدا کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ اپنا پیغام بھیجنے کے بعد قوم کو سوچنے، سمجھنے، سنبھلنے اور اپنی اصلاح کرنے کا کافی وقت دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ مہلت کا وقت صدیوں تک دراز ہوتا ہے۔ اس بات کو خدا ہی جانتا ہے کہ کس قوم کو یا کسی فرد کو کتنی مہلت ملنی چاہیئے۔ پھر جب وہ مہلت جو پورے انصاف کے تقاضوں کے مطابق اُس قوم یا فرد کے لیے رکھی جاتی ہے، ختم ہوجاتی ہے، اور قوم یا فرد اپنی باغیانہ بدمعاشیوں سے باز نہیں آتا، تب کہیں اللہ اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ پھر اُس فرد یا قوم کو ایک لمحے کی فرصت نہیں دی جاتی۔ اور نہ وقت ایک لمحے کے لیے ٹل سکتا ہے۔ ٭۔۔۔۔ (تفہیم)

غرض آیت کا پیغام یہ ہے کہ عذاب کے آنے کی جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو عذاب کے آنے کا وقت طے شدہ ہے، اُسے تم ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرکا سکتے۔
٭۔۔۔ (عثمانی)

یعنی عذاب کا اپنے معین وقت پر آنا اٹل ہے۔

٭۔۔۔۔ (زمخشری)

www.drhasanrizvi.org

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُهٗ (۵۰) (اس لیے) ان سے فرمادیں کہ آخر
بَیَاتًا اَوۡ نَهَارًا مَّاذَا یَسۡتَعۡجِلُ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ کا
مِنۡهُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ○ ۵۰ عذاب[لـه] اچانک (راتوں) رات' یا دن
کو آجائے (تو کیا تم اُسے روک سکتے ہو؟) آخر یہ (عذاب) ایسی کون سی
(اچھی) چیز ہے جس کے لیے یہ مجرم لوگ اتنی جلدی مچا رہے ہیں؟

کتنی بڑی حماقت ہے کہ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں

یعنی خدا کی سزا تو سخت پناہ مانگنے کی چیز ہے اُس کے لیے جلدی مچانا کتنی بڑی حماقت ہوگی؟

اہلِ عرفان نے نتیجہ نکالا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور اچھے عمل کی طرف سبقت کرنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی جائے۔ *..... (ماجدی)

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین موقعوں پر جلدی کرو:

(۱) عَجِّلُوۡا بِالصَّلٰوةِ قَبۡلَ الۡفَوۡتِ (۲) عَجِّلُوۡا بِالتَّوۡبَةِ قَبۡلَ الۡمَوۡتِ

(۳) عَجِّلُوۡا بِالصَّدَقَةِ قَبۡلَ الۡبَلَآءِ (حدیث)

(۱) نماز فوت ہونے سے پہلے جلدی سے پڑھ لو۔ (۲) مرنے سے پہلے توبہ میں جلدی کرو (گناہ سرزد ہوتے ہی جلدی سے توبہ کرلینی چاہیے کیونکہ نہ معلوم موت کس وقت وارد ہوجائے۔)

(۳) صدقہ دینے میں جلدی کرو' کیونکہ مصیبت نازل ہونے کا علم نہیں کہ کب یا اگلے ہی لمحے وارد ہوجائے (الحدیث)

[لـه] مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت سوتے ہوتے یا دن میں جب تم اپنے دھندوں میں مشغول ہو' اگر اچانک خدا کا عذاب تمھیں آدبائے تو کیا مجرم لوگ جلدی کچھ کر کرا کے عذابِ الٰہی سے اپنا بچاؤ کرسکیں گے؟ جب بچاؤ کر ہی نہیں سکتے تو پھر عذاب کے آنے کا وقت کیوں پوچھ رہے ہو؟ اُس کے آنے کی جلدی کیوں مچا رہے ہو؟ *.... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ (۵۱) اِس کے بعد جب وہ عذاب آہی جائے گا آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ۖ ۵۱ تو کیا تم اُس وقت اُسے مان لوگے؟ کیا (یہ کہوگے کہ) اب (ہم ماننے کو تیار ہیں) حالانکہ اسی عذاب کے آنے کی تو تم خود جلدی مچا رہے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا (۵۲) پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تم ہمیشہ عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو، جو کچھ تم کماتے اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ ۵۲ رہے ہو، اُس کا تم کو (سوا اِس کے) اور کیا بدلہ دیا جاسکتا ہے؟ [1]

[1] عذاب آجانے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوگا

یعنی عذاب کے آنے کی جلدی کرنا اِس لیے ہے کہ اُنھیں عذاب کے آنے کا یقین نہیں ہے۔ یہ عذاب کے وعدے کو مخول (مذاق) سمجھ رہے ہیں۔ اگر اُنھیں عذاب کے آنے کا یقین ہوتا تو بچنے بچانے کی فکر کرتے۔ لیکن عذاب آنے کے بعد اگر اُنھیں عذاب کا یقین آیا تو اُنھیں کیا فائدہ ہوگا؟ اُس وقت خدا کی طرف سے کہدیا جائے گا کہ اچھا، اب قائل ہوتے ہو۔ پہلے تو اِسے جھٹلاتے رہے تھے۔ کیونکہ جھٹلانا مذاق اُڑانے کی نیت سے تھا اِس لیے جواب بھی مذاق ہی کے طور پر دیا جائے گا۔ جیسا کہ خدا نے ارشاد فرمایا:

"فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝" (سورۃ المومن ۴۰ آیت ۸۵)

یعنی: "پس جب اُنھوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، تو (اب) اُن کا ایمان لانا فائدے مند ثابت نہ ہوا۔ اللہ کا یہی طریقہ و معمول رہا ہے اپنے بندوں کے بارے میں۔ اُس وقت انکار کرنے والے لوگ (کافر) سخت نقصان (خسارے) میں رہیں گے۔"

*- - - - (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڤ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۵۳

(۵۳) پھر پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی یہ (قیامت کا وعدہ) سچ ہے؟ آپ فرمادیں: "میرے پالنے والے مالک کی قسم! یہ بالکل سچ ہے۔ اور تم خدا کو ہرگز بے بس نہیں بنا سکتے۔"

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۵۴

(۵۴) (یہانتک کہ) اگر واقعی ہر اُس آدمی کے پاس جس نے کوئی بھی ظلم کیا ہے، روئے زمین کی ہر ہر چیز یا تمام دولت بھی ہو تو وہ اُس کو اُس سزا سے بچنے کے لیے معاوضے میں دینے پر تیار ہو جائے گا۔ اور جس وقت وہ اُس سزا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے تو اپنے دل میں اپنی شرمندگی کو بھی چھپا رہے ہوں گے کیونکہ اُن کے درمیان پورے پورے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوا ہوگا اور اُن پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا ہوگا۔

(آیت ۵۳) کفار کا یہ تعجب کر کے پوچھنے کا اصل مقصد سوال کرنا یا سمجھنا نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ایک لطیف اور طنزیہ انداز ہے کسی بات کے انکار کرنے اور مذاق اُڑانے کا۔ *..... (ماجدی)

زمانۂ رجعت کا ذکر ہے (آیت ۵۴) فدیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اُس ظالم کے ہاتھ میں زمین کے تمام خزانے اور اموال آجائیں تو وہ زمانۂ رجعت میں خدا کے عذاب یا سزا سے بچنے کے لیے یہ سب کی سب دولت فدیہ میں دینے کو تیار ہو جائے گا۔ *..... (تفسیر صافی صفحہ ۲۲۴ بقول امام جعفر صادق علیہ السلام)

عدالتِ خداوندی قیامت کے دن کی تمام ہولناکیوں کے باوجود ہر مجرم کو جو سزا ملے گی وہ بالکل عدل و انصاف کے عین مطابق ہوگی۔ ہرگز ذرہ برابر بھی زیادتی نہ ہوگی۔ جزا یا عطا میں تو خوب خوب اضافہ ہوگا لیکن سزا مکمل طور پر عدل کے عین مطابق ہوگی۔ یہ شانِ عدالتِ خداوندی ہے۔ یہ آیت خدا کے عادل ہونے پر واضح دلیل ہے۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۵۵

(۵۵) سنو! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقتاً جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ (سب کا سب) اللہ ہی کا ہے (اِس لیے) آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا (مہر) وعدہ بالکل سچا ہے۔ مگر اُن میں کے اکثر لوگ (اِن اٹل ابدی حقیقتوں کو) نہیں جانتے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۵۶

(۵۶) (جبکہ) وہی خدا ہے جو زندگی بھی بخشتا ہے اور وہی موت بھی دیتا ہے، اور پھر اُسی کیطرف تم سب کو پلٹنا بھی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۵۷

(۵۷) اے انسانو! (اب تو) تمھارے پاس تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے نصیحت آ ہی گئی ہے، جو تمھارے دلوں کی (بیماریوں کیلئے) شِفاء ہے۔ اور جو لوگ اِسے مان لیں تو اُن کے لیے تو یہ سراپا ہدایت و رہنمائی اور رحمت (ہی رحمت) ہے۔[۱]

---

[۱] **قرآن کی معرفت و عظمت** (آیت ۵۷) نصیحت، خیر خواہی، شِفاء، موعظت، ہدایت اور رحمت ۔ یہ سب اوصاف قرآن مجید اور شریعتِ محمدیہ سے متعلق ہیں۔ ★ ... (تفسیر تبیان)

محققین نے لکھا کہ: یہاں خداوندِ عالم نے قرآن مجید کی چار خصوصیات بیان فرمائی ہیں:

کیونکہ انسانی نفس کو بھی کمالات کے حاصل کرنے میں چار منزلوں سے گذرنا ہوتا ہے۔

پہلی منزل: تہذیبِ ظاہری "موعظہ" یعنی بُرائی سے بچنے کی نصیحت ہے۔

دوسری منزل: نفسِ انسانی کے کمال کی دوسری منزل تہذیبِ باطن، یعنی بُرے خیالات و عقائد و

www.drhasanrizvi.org

نظریات سے بچنا ہے۔

تو قرآن کی دوسری خاصیت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ " دلوں کی بیماریوں کی شفا " ہے۔

(۳) تیسری منزل اخلاقِ حسنہ سے آراستہ پیراستہ ہونے کی ہے۔ اس لیے قرآن کی تیسری صفت "ھدیٰ" اچھائیوں کی طرف ہدایت کرنا بتائی گئی۔ اور

(۴) چوتھا اور آخری مقام، اللہ کے نور اور صفات سے جگمگا اٹھنا ہے۔ اور اس مقام کو " خدا کی رحمت " فرمایا گیا۔ کیونکہ یہ مقام خدا کی رحمتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنی صفات کا مظہر بنا دے۔ کہ اِس مقام پر پہنچ کر انسان خدا کی عظیم ترین نعمتوں اور رحمتوں سے فیضیاب ہوتا رہے۔

قرآن کی صفات

..... (ماجدی)

اِس آیت میں جتنی صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب قرآن کریم کی ہیں۔

(۱) قرآن اوّل سے آخر تک نصیحت ہے۔ یعنی لوگوں کی بھلائی کی باتیں سناتا ہے۔ اس طرح کہ انھیں تباہ کرنے والی خطرناک بیماریوں سے روکتا ہے۔ (۲) پھر دل و دماغ کی حقیقی بیماریوں کیلئے نسخہ شفا ہے۔

(۳) وصول الی اللہ، یعنی اللہ تک پہنچنے اور اس کی رضامندی جیسی عظیم نعمت کیلئے حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔

(۴) اپنے ماننے والوں کو دنیا اور آخرت میں رحمتِ الٰہی کا مستحق ٹھہراتا ہے۔

بعض محققین نے اس آیت کے ذیل میں نفسِ انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل کرے، وہ ان تمام مراتب پر فائز ہوگا۔ یعنی وہ اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کر سکے گا۔ یہ بات "موعظہ" کے لفظ سے ثابت ہے (۲) پھر وہ اپنے باطن کو غلط قسم کے عقائد اور نظریات سے پاک کر سکے گا۔ اس کی طرف " شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ " سے اشارہ کیا گیا ہے۔ (۳) اپنے نفس کو صحیح عقائد اور نظریات سے اور بہترین اخلاق سے آراستہ کر سکے گا۔ یہ مفہوم لفظ "ھُدًى" (ہدایت) میں چھپا ہوا ہے۔ (۴) پھر جب وہ اِن تمام کاموں کو انجام دے چکے گا تو خدا کے انوارِ رحمت اس پر اتریں گے۔ اور یہ لفظ "رحمت" سے ثابت ہے۔ یہ شریعت، طریقت، حقیقت، نبوت اور خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

www.drhasanrizvi.org

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ هُوَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ○ ۵۸

(۵۸) آپ فرمادیں کہ یہ سب اللہ ہی کے فضل وکرم بخشش ورحمت سے ہے (اس پر) تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے[۱] (کیونکہ) یہ (قرآن) اُن تمام چیزوں سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ سمیٹ سمیٹ کر جمع کررہے ہیں۔

فضل سے مراد نبوت آنحضرتؐ اور رحمت سے مراد حضرت علیؑ کی ولایت

[۱] حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ کے فضل" سے یہاں مراد تمھارے نبیؐ کی "نبوّت" ہے۔ اور "خدا کی رحمت" سے یہاں مراد علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی "ولایت" ہے۔" اور "خوش ہونے" سے مراد یہ ہے کہ جو واقعی ہمارے دوست اور فرمانبردار ہیں وہ خوش ہوں اور ان کے مخالف اِس دنیا کا جتنا بھی مال و دولت جمع کرلیں وہ سب کا سب نبیؐ کی نبوّت اور علیؑ کی ولایت کے اعتقاد رکھنے سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ ......* (المجالس و تفسیر عیاشی)

کسی نعمت پر "فرح" یعنی خوش ہونا اچھی بات بھی ہے اور بُری بات بھی۔

کسی نعمت پر اِس لیے خوش ہونا کہ وہ اللہ کا فضل وکرم سے ملی ہے، اچھی بات ہے۔ جیسے اِس آیت میں فرمایا گیا۔ مگر دنیا کی دولت پر اِس طرح خوش ہونا کہ اُس پر اکڑنا، اِترانا اور یہ سمجھنا کہ یہ سب ہمیں اپنی لیاقت، صلاحیت اور محنت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنی دولت کے بارے میں کہا کرتا تھا: "یہ دولت مجھے میرے علم کی بدولت ملی ہے۔" ایسی ہی خوشی کے لیے فرمایا کہ: "خوش نہ ہو۔ اللہ اِس طرح کے خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ تجھے اللہ نے جو کچھ بھی دیا ہے (اُس پر اکڑنے مکڑنے کے بجائے) آخرت کا سامان کر، البتہ دنیا میں سے اپنا (جائز) حصہ لینا نہ بھول۔" (قرآن)

جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا: "جس کو خدا اسلام عنایت فرمادے اور قرآن کا علم بھی عطا فرمائے، پھر وہ فقر وفاقہ کی شکایت کرے تو روزِ محشر تک اُس کی پیشانی پر خدا فقر وفاقہ لکھ دے گا۔" پھر آنحضرتؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ ......* (انوار النجف ص ۱۶۹)

www.drhasanrizvi.org

قُلْ أَرَءَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝ ۵۹

(۵۹) آپؐ اُن سے یہ بھی پوچھیں کہ آیا تم لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جو رزق اللہ نے تمہارے لیے اُتارا تھا، اُس میں سے تم نے خود اپنے آپ ہی کسی بھی چیز کو حرام اور کسی کو حلال قرار دے لیا؟ اِن سے پوچھو تو سہی کہ کیا اللہ نے تم کو اس کام کی اجازت دی تھی؟ کیا (ایسا کرکے) تم اللہ پر جھوٹی تہمت (نہیں) گھڑ رہے ہو؟

رزق کا مفہوم

۱؎ اُردو زبان میں رزق کا مطلب کھانے پینے کی چیزیں ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں رزق سے مراد صرف خوراک نہیں بلکہ ہر عطا اور ہر بخشش کو رزق کہتے ہیں۔ گویا ہمارے رزق سے مراد ہمارا نصیب ہوتا ہے۔ اللہ نے جو کچھ بھی ہمیں دیا ہے، وہ سب کا سب خدا کا دیا ہوا رزق ہے۔ حتّٰی کہ اولاد۔ مشہور دعا ہے: اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ ۔ "اے اللہ! ہم پر حق کو واضح کردے اور اُس کی پیروی کرنے کا رزق (توفیق) عطا فرما۔" عربی محاورے میں بولا جاتا ہے: "رُزِقَ عِلْمًا" یعنی اُس شخص کو علم کا رزق دیا گیا ہے۔ ★ ...... (تفہیم)

رزق کو صرف کھانے پینے کی چیزیں سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف کھانے پینے میں حلال و حرام کی تمیز کرنے کو دین سمجھ لیا گیا۔ باقی تمام سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی معاملات میں لوگ خدا اور خدا کی کتاب سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کرنے لگے۔ حتّٰی کہ علماء اور مفتیانِ دین تک اِس غلطی کا شکار ہو گئے۔

۲؎ مطلب یہ ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ خدا کی عطاؤں پر ہم خود اپنی مرضی سے تصرّف کریں گے، صرف اُس وقت ٹھیک ہو سکتا تھا جب خدا نے خود تم کو اِس بات کی اجازت دی ہوتی کہ میری عطاؤں کو تم جس طرح چاہو استعمال کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے پاس واقعی ایسے لامحدود اختیارات ملنے کی کوئی سند موجود ہے یا تم بغیر سند کے یہ دعویٰ کر رہے ہو؟ اگر سند ہے تو دکھاؤ، ورنہ اِس تصرّفِ بیجا کی بنا پر خدا سے بغاوت اور سراسر جھوٹ اور افترا پردازی ہے۔

★ ...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

گذشتہ آیات میں قرآن اور قرآن میں خدا کے وعظ و نصیحت اور ہدایت و رحمت کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیرِ نظر آیت میں اسی مناسبت سے مشرکین کے گھڑے ہوئے قوانین اور جھوٹے احکام کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام نعمات اور رزق اُس کی طرف سے ہے۔ اُسے چاہیئے کہ وہ یہ حقیقت بھی قبول کرے کہ ان نعمات کے بارے میں حکم دینا اور اُن کے بارے میں حلال و حرام کا تعین خدا کے ہاتھ میں ہے اور اُس کے اذن اور حکم کے بغیر اس کام میں دخل اندازی صحیح نہیں ہے۔

اِس آیت میں روئے سخن پیغمبرِ اکرمؐ کی طرف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "اِن سے کہدو کہ خدا نے جو رزق تمہارے لیے نازل کیا ہے اُس میں سے کیوں کچھ کو حرام قرار دیتے ہو اور کچھ کو حلال"؟ یعنی "(قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا)"

اپنی بیہودہ رسوم کے مطابق کچھ چوپایوں کو سائبہ، کچھ کو بحیرہ اور کچھ وصائلہ کہتے ہو (کچھ کو مردوں پر حلال اور عورتوں پر حرام، اور کسی کا بعض حصہ حلال اور بعض حصہ حرام قرار دیتے ہو) اسی طرح تم نے اپنی کھیتی باڑی کے بعض محصولات کو حرام قرار دے رکھا ہے اور خود کو اُن پاک نعمتوں سے محروم کر رکھا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر تم سے مربوط نہیں ہے کہ کس چیز کو حلال ہونا چاہیے اور کس چیز کو حرام۔ یہ امر تو صرف ان کے پروردگار اور خالق کے اختیار میں ہے۔ "کہدو: کیا خدا نے تمھیں اجازت دی ہے کہ ایسے قوانین وضع کرو یا تم خدا پر افتراء باندھتے ہو"؟ (تفسیر نمونہ صفحہ ۲۶۱)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ: قرآن جو نصیحت بھی ہے اور شفا بھی، ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ یہی قرآن اس لائق ہے کہ اِس کے ساتھ تمسک اختیار کرو۔ خدا کے احکام اور حلال و حرام کی تمیز بھی اسی قرآن سے ہو سکتی ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہوگی کہ خدا تو تمہارے لیے نعمتیں پیدا کرے اور مہیا کرے اور تم اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہو حلال قرار دے دو اور جس چیز کو چاہو حرام لکھدو۔ تم کو حلال یا حرام قرار دینے کا کوئی حق نہیں۔ اب اگر اپنی طرف سے تم کسی چیز کو حلال یا حرام کر رہے ہو، تو خدا پر جھوٹ (افتراء اور تہمت) باندھ رہے ہو۔ ★ ..... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ (۶۰) تو جو لوگ بھی اللہ پر جھوٹی تہمت گھڑتے

عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ ہیں، تو ان کا کیا خیال ہے کہ قیامت کے دن

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ (ان کا کیا حشر نشر ہوگا؟ جبکہ) یہ حقیقت ہے کہ

وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝ ۶۰ ع خدا لوگوں پر بڑے فضل و کرم کی نظر رکھنے والا ہے

لیکن اکثر لوگ اُس کا شکر نہیں کرتے۔

خدا کی ناشکری یہ بھی ہے

معلوم ہوا کہ خدا کی سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ خدا کے وعدوں اور رسولوں کو جھٹلایا جائے۔ یعنی بجائے اس کے کہ اُن کی اطاعت کی جاتے، اُن کی بات کا اعتبار تک نہ کیا جائے، اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے؟ *...... (ماجدی)

خدا کی حد درجہ مہربانی یہ ہے کہ وہ مالک ہو کر اپنے نوکر کو خود بتا رہا ہے کہ میری عطاؤں کو کس طرح استعمال کرو۔ پھر مزید یہ کہ اگر تم نے میری عطاؤں کو میری مرضی کے مطابق استعمال کیا تو میں تمھیں ابدی نعمتوں اور ازلی کامیابیوں سے نوازوں گا۔ حالانکہ مالک اگر کچھ نہ بتاتا اور صرف نعمتیں دیکر چھپ کر دیکھتا اور جسے اپنی مرضی کے خلاف کام کرتا دیکھتا اُسے سزا دیتا، تو ہمارے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ خدا کی سزا سے بچ سکتے۔ اب یہ اُسکی ہم پر زبردست مہربانی ہے کہ اُس نے ہمیں یہ بتایا کہ کس طرح میری عطاؤں کو استعمال کرو، اور کس طرح استعمال نہ کرو۔ *....... (تفہیم)

خدا کا فرمانا کہ "کیا ہے گمان یا خیال" یعنی قیامت کے دن کی جزا، سزا کے بارے میں اُن کا کیا خیال ہے؟ پھر یہ کہ اُن کے خیال اور گمان کی اہمیت ہی کیا ہے؟ قیامت میں کافروں کے خیالات اور تصوّرات کے مطابق فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس لیے اُن کے تصوّر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ *.. (فصل الخطاب، تبیان)

کیا یہ لوگ قیامت کے بارے میں یہ سوچ رہے ہیں کہ اُس دن اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ سخت پکڑے جائیں گے یا سستے چھوٹ جائیں گے؟ کن خیالات میں پڑے ہیں؟ یاد رکھیں جو دردناک سزا اُن کو ملنے والی ہے وہ ٹلنے والی نہیں۔ *...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا (۶۱) مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ ۶۱

آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہیں اور (اے لوگو!) تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اُن تمام چیزوں پر ہم حاضر و ناظر ہوتے ہیں؛ جب تم بڑے ہی انہماک کے ساتھ (اُن کاموں میں) لگے ہوتے ہو۔ اور ذرّہ کے برابر بھی آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، نہ چھوٹی نہ بڑی، جو تیرے پالنے والے مالک کی نظر سے چھپی ہوئی ہو، اور وہ خدا کے صاف اور واضح دفتر یا رجسٹر (لوحِ محفوظ) میں درج نہ ہو۔

خدا کا علم ہر چیز پر حاوی ہے

خدا کا علم صرف چیزوں کے پیدا کرتے وقت ہی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض فلسفیوں کا خیال ہے۔ بلکہ روزِ ازل ہر چھوٹی بڑی چیز لوحِ محفوظ میں لکھ کر محفوظ کی جا چکی ہے۔ ★ ..... (جلالین)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "حضورِ اکرمؐ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے تو بہت رویا کرتے تھے۔ ★ ..... (تفسیر صافی ص ۲۲۴ بحوالہ تفسیر مجمع البیان)

یہی اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا تصور ہی خوفِ الٰہی کا اصل سبب ہوتا ہے جو اصلاحِ نفس اور ہر قسم کی بے راہ روی کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ ★ ..... (فصل الخطاب)

"شُهُودًا" شاهد کی جمع ہے۔ اور جمع کا استعمال اس لیے ہے کہ خدا کے علاوہ فرشتے (کراماً کاتبین) جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں، انسانوں کے تمام تر اُمور (اعمال) سے باخبر ہوتے ہیں اور اُن کے شاہد اور حاضر و ناظر ہیں۔

www.drhasanrizvi.org

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (٦٢) (اسی لیے) تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اُنھیں کوئی رنج و غم ہے۔

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝ (٦٣) جو حق کو مانتے رہے اور بُرائیوں سے بچتے ہوئے فرائضِ الٰہیہ کو ادا کرتے رہنے کا طریقۂ زندگی اختیار کیے رہے۔

اولیاء اللہ کون ہیں ؟

حضرت امام علی ابن الحسین (زین العابدین) علیہ السلام نے اولیاء اللہ کے بارے میں فرمایا کہ: "وہ، وہ ہیں جو فرائضِ خداوندی کو ادا کریں اور سنّتِ رسول پر عمل پیرا ہوں، خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں، دنیا میں زُہد کریں اور آخرت کے بارے میں رغبت کرنے والے ہوں، اپنے گذارے کے لیے حلال رزق کمائیں، نہ کہ فخر و تکبر کی خاطر، پھر اُس حلال رزق سے حقوقِ واجبہ ادا کریں، پس اُن لوگوں کے کسب میں خدا برکت دے گا اور آخرت میں جزاءِ خیر عطا کرےگا۔"

..... (مجمع البیان)

امیر المومنین امام المتقین حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"فضیلت اُن کے لیے ہے جو پرہیزگار ہیں کیونکہ اُن کی گفتگو جچی تُلی ہوئی، پہناوا میانہ، چال ڈھال میں عجز و فروتنی ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اُنھوں نے آنکھیں بند کرلی ہیں اور مفید علم پر کان دھر لیے ہیں، اُن کے نفس زحمت و تکلیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام و آسائش میں ..... دوزخ کے عذاب سے اُن کے دل غمزدہ و محزون، جنّت کے ثواب سے مسرور، اور لوگ اُن کے شر سے مامون، اُن کے جسم لاغر، ضروریات کم، اور اُن کے نفس خواہشات سے بَری ہوتے ہیں ... الخ" (ملخّص از نہج البلاغہ)

اہلِ عرفان نے لکھا کہ غم پیدا ہوتا ہے مقصد کے پورا نہ ہونے سے، اور عاشقانِ الٰہی کی اپنی کوئی

www.drhasanrizvi.org

آرزو ہی نہیں ہوتی، کہ اُن کو نامرادی کا کوئی غم ہو اور خوف پیدا ہوتا ہے آئندہ کی نامرادی اور ہولناکیوں سے۔ تو عاشقانِ خدا کو خدا کی محبت اور عرفان کے سبب خدا سے ایسی کوئی توقع ہی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ خدا سے ہمیشہ اچھا گمان ہی رکھتے ہیں، کہ وہ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ بُرا سلوک نہ فرمائے گا۔

مومنِ کامل دنیا کے غموں سے اِس لیے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں کہ وہ تمام ناگواریوں میں حکمتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ *۔۔۔۔۔۔ (ماجدی)

محققین نے لکھا کہ خدا کی ولایت کی علامتیں ایمان اور تقویٰ ہیں، نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں اور نہ بیوقوفوں کو حیران کر دینے والے عجائبات و کرشمات، اور نہ ھو حق کے کھوکھلے نعرے، نہ فرقہ بندیوں کی تعصب آمیز اور نفرت انگیز کج بحثیاں اور تقریریں۔ *۔۔۔۔۔ (ماجدی)

اولیاءِ خدا معرفت اور ایمان کے نور سے اور اپنے پاک عمل کی بناء پر خدا کو دل کی آنکھ سے اِس طرح دیکھتے ہیں کہ اُن کے دل میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ و تردّد پیدا نہیں ہوتا اور خدا، کہ جو بے انتہا ہے جس کی قدرت بے پایاں ہے اور جو کمالِ مطلق ہے، سے اسی آشنائی کے سبب جو کچھ خدا کے علاوہ ہے، اُن کی نگاہ میں حقیر، بے وقعت، ناپائیدار اور بے مقدار ہے۔ جو شخص سمندر سے آشنا ہے، قطرہ اُس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اِس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اُنھیں کیوں خوف واندوہ نہیں ہے۔ کیونکہ خوف عام طور پر میسّر نعمتوں کے فقدان کے احتمال پر ہوتا ہے، یا ان کے خطرات سے ہو سکتا ہے۔ جبکہ خدا کے اولیاء اور سچے دوست مادّی دُنیا کی ہر قسم کی وابستگی اور عقد سے آزاد ہیں اور "زہد" اپنے حقیقی مفہوم میں اُن کے وجود پر حکومت کرتا ہے۔ وہ نہ مادّی وسائل کے چھن جانے پر واویلا کرتے ہیں اور نہ آئندہ کے لیے ایسے مسائل کا احتمال اُن کے اذہان کو اپنی طرف مشغول رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رنج وغم اور خوف واندیشہ جو دوسروں کو ہمیشہ گذشتہ اور آئندہ کے بارے میں اضطراب و پریشانی میں مبتلا رکھتا ہے، اُن کے وجود میں اُس کی کوئی گنجائش نہیں ہے ......(تفسیر نمونہ) ج۸ ص۲۶۷

www.drhasanrizvi.org

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۶۴) اُن کے لیے تو دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں
وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ میں خوشخبریاں (ہی خوشخبریاں) ہیں۔ اللہ کی
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۶۴ باتیں بدلا نہیں کرتیں۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی
وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ (۶۵) (اس لیے اے نبیؐ) آپؐ کو ان کی (الٹی سیدھی)
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۶۵ باتیں رنجیدہ نہ کریں، (کیونکہ) یہ حقیقت ہے کہ
ساری کی ساری عزّت خدا ہی کی ملکیت ہے۔ وہ (خدا) تو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا بھی ہے۔

خدا اپنے بندوں سے روزِ قیامت کونسا دین قبول کریگا؟

عقبہ بن خالد سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: اے عقبہ! بروزِ قیامت خداوند کریم بندوں سے کوئی دین قبول نہیں کریگا سوائے اُس دین کے جو تمھارا (شیعوں کا) اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک میں صرف یہی دیر ہے کہ جب روح نکلنے کا وقت ہوگا تو تمھارے "سرہانے حضرت پیغمبرِ اکرمؐ اور حضرت علیؑ" پہنچیں گے۔ حضرت رسولِ اکرمؐ فرمائیں گے کہ میں تیرا رسولؐ ہوں اور دنیا میں تیرے پیچھے چھوڑے ہوئے ترکے سے میں بہتر ہوں۔ پھر حضرت علیؑ فرمائیں گے کہ: میں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ ہوں جس کی تو دِلا محبت رکھتا تھا۔ آج تجھے میری دوستی فائدہ دے گی۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا: "جو کچھ میں نے بیان کیا ہے قرآن مجید میں موجود ہے:" عقبہ کے پوچھنے پر آپؑ نے یہی آیت (لَهُمُ الْبُشْرٰى ۔۔۔ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ) تلاوت فرمائی۔ کہ اولیاء اللہ کو دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی جائے گی۔ ★ ۔۔۔۔ (تفسیر مجمع البیان)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ مومن جب قبر میں جائے گا تو اس کی قبر میں ایک دروازہ جنّت کی طرف کھل جائیگا۔

حضرت امام محمّد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ "قبروں سے نکلتے ہی فرشتے اُن (مومنوں) کو جنّت کی بشارت دیں گے اور قیامت کے میدان میں بھی اُن کو جنّت کی بشارت دیں گے۔ یعنی وقتاً فوقتاً جنّت میں داخل ہونے تک اُن کو بشارتیں اور مبارکبادیوں کے پیغامات ملتے رہیں گے۔ ★ ۔۔۔۔ (تفسیر مجمع البیان)

www.drhasanrizvi.org

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ‌ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ○ ٦٦

(٦٦) یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ ہی کی ملکیت ہیں وہ سب کے سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور تم جو اللہ کو چھوڑ کر (اپنے بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں کو پکار رہے ہو، وہ کس چیز کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ تو صرف اُلٹے سیدھے وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور محض قیاس آرائیاں اور اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔

قرآن کا فطری طریقۂ تحقیق عقل کی بنیاد پر حجّت

قرآن مجید نے جہاں توحیدِ خداوندی کی بار بار محکم دلیلیں دی ہیں وہاں اتمامِ حجّت کے لیے مشرکوں سے بھی عقلی دلیلوں کا مطالبہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک عقل ہی آخری حجّت ہے۔ * (فصل الخطاب)

جائزہ لیجیے کہ دنیا میں مختلف گروہوں نے تجسّس اور تحقیق کے کون کون سے طریقے اختیار کیے ہیں:

(۱) مشرکین نے خالص وہم و گمان پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی۔

(۲) اشراقی فلسفیوں اور جوگیوں نے مراقبہ کا ڈھونگ رچایا اور اس طرح یہ دعویٰ کیا کہ ہم ظاہر کے پیچھے جھانک کر باطن کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ مراقبہ دراصل اپنے گمان ہی کا کرتے ہیں، اور مراقبے میں اُن کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ اصل میں خود اُن کا اپنا ہی خیال ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے خیال کو دماغ کے اندر خوب جما دیتے ہیں اور پھر ذہن پر سخت دباؤ ڈالتے ہیں تو اُن کا وہی خیال اُنھیں چلتا پھرتا، سانس لیتا بولتا کھانستا نظر آنے لگتا ہے۔

(۳) عام اور اصطلاحی فلسفیوں نے اپنے گمان کے لنگڑے پن کو محسوس کر کے اُسے اپنے منطقی استدلال اور مصنوعی تعقّل کی بیساکھیوں پر چلانے کی بڑی کوشش کی اور اس طرح اپنے ظن و تخمین اور وہم و گمان کا نام "قیاس یا فلسفہ" رکھ دیا۔

(۴) سائنس والوں نے اگرچہ علمی طریقۂ تحقیق کو اختیار کیا، مگر اُنھوں نے

www.drhasanrizvi.org

بھی جب مابعدالطبیعات کے حدود میں قدم رکھا تو علمی اور تحقیقی طریقہ چھوڑ چھاڑ کر وہ بھی اپنے وہم و گمان ظن و تخمین اور اپنے اوٹ پٹانگ اندازوں کے پیچھے چل پڑے۔

پھر ان تمام گروہوں کو ایک دوسرے کی بات نہ سننے کی بیماری لگ گئی۔ ایکدوسرے سے متعصب ہو گئے۔

قرآن مجید نے اِن سب کی غلطی کی نشاندہی کی، کہ تم سب اپنی تلاش اور تحقیق کی بنیاد اپنے قیاس اور اپنے وہم و گمان پر رکھتے ہو۔ پھر اپنے تعصب کی وجہ سے کسی معقول بات کو سننے، سوچنے، سمجھنے، غور کرنے پر تیار تک نہیں ہوتے۔ اِسی دوہری غلطی کی وجہ سے تم حقیقت کو پا نہیں سکے ہو۔

پھر قرآن نے فلسفیانہ تحقیق کا صحیح علمی طریقہ بتایا کہ (الف) پہلے تم انبیاء کا بیان، جو علم کی بنا پر کلام کرتے ہیں، بلاتعصب سُنو۔ (ب) پھر کائنات کے آثار و نشانات (آیات) کو جو تمہارے تجربے اور مشاہدے میں آتے ہیں، اُن پر غور و فکر کرو۔ (ج) پھر اُن شہادتوں کو مرتب کرکے دیکھو اور تلاش کرتے چلے جاؤ کہ اِس ظاہر کے پیچھے جس حقیقت کی نشاندہی وہ لوگ کر رہے ہیں، وہ حقیقت تمہیں ملتی ہے یا نہیں؟ (د) پھر اگر اُن علامتوں اور نشانات سے وہ حقیقتیں جو وہ بتا رہے ہیں، تمہیں نظر آنے لگیں، تو پھر تم اُن کو خواہ مخواہ نہ جھٹلاؤ جن کا بیان آثار و نشانات کی شہادتوں کے مطابق پایا جا رہا ہے ـــ یہی طریقہ، فکر و نظر، اسلامی فلسفہ کی بنیاد ہے جسے چھوڑ کر مسلمان فلاسفہ بھی افلاطون اور ارسطو کے نقشِ قدم پر چل پڑے۔ پھر انجام یہ ہوا کہ: ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ∴ ڈور کو سلجھا رہا ہے، پر سرا ملتا نہیں

اب اسی اصول پر اِس آیت پر غور فرمائیں کہ اِس میں خداوندِ عالم نے صرف دو آثار کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی رات اور دن۔ یہ دن رات کا تغیّر سورج اور زمین کی نسبتوں میں انتہائی باضابطہ تغیّر کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ یہ رات دن کا آنا جانا ایک عالمگیر ناظم اور ساری کائنات پر غالب اقتدار رکھنے والے، حاکم اور مدبّر کے وجود کی واضح دلیل و علامت ہے۔ اِس میں

www.drhasanrizvi.org

صریح حکمت اور واضح مقصدیت بھی نظر آتی ہے۔ اِس میں صریح ربوبیت، رحمت اور پروردگاری کی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں، کیونکہ رات اور دن کے آنے جانے میں موجودات کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اِس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جس نے زمین پر یہ تمام چیزیں پیدا کی ہیں، وہ خود ہی اُن کی ضروریات بھی فراہم کرتا ہے۔ پھر اُس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر ناظم صرف ایک ہے، اور وہ بھی کوئی کھلنڈرا نہیں، بلکہ گہری مصلحتوں کے مطابق کام کرنے والا حکیم بھی ہے، بامقصد کام کرنے والا قدیر بھی ہے۔ ہمارا پالنے والا محسن بھی ہے۔ اِس لیے صرف وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے۔ اور جو کوئی بھی اِس گردشِ لیل و نہار کے نیچے ہے وہ رب نہیں مربوب ہے، آقا نہیں غلام ہے۔

اب آپ خود اندازہ کیجیے کہ اِس فطری عقلی واضح آثار، استدلال اور شہادتوں کے بعد وہم و گمان نے جو مذاہب ایجاد کیے ہیں، اُن کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

٭ . . . . (تفہیم)

اصولی طور پر بے بنیاد گمان کی پیروی کی یہ خاصیت ہے کہ آخرِ کار انسان جھوٹ کی وادی میں جا پہنچتا ہے۔ جنھوں نے بتوں کو خدا کا شریک قرار دیا تھا اُن کی بنیاد اوہام سے بڑھ کر نہ تھی۔ وہ اوہام کہ جن کا تصوّر کرنا ہمارے لیے مشکل ہے کہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان اپنی مشکلات کا حل اس سے طلب کرے جسے وہ خود بنائے (یعنی بے روح شکلیں اور مجسّمے) اور پھر اُن کو اپنا رب اور صاحبِ اختیار سمجھنے لگے، اپنی تقدیر اُن مجسّموں کے سپرد کر دے۔ کیا یہ چیز جھوٹ اور جھوٹ قبول کر لینے کے سوا کچھ اور کہلا سکتی ہے۔ ٭ . . . . . . (ملخص از تفسیر نمونہ ص۲۷۵)

نتیجہ اور پیغام

آیت کا پیغام یہ ہے کہ (۱) کُل زمین و آسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے (۲) سب جنّ و انسان خدا کی ملکیت ہیں۔ (۳) اِس لیے مشرکوں کا غیر اللہ کو خدا سمجھ کر پکارنا اور اُن کی عبادت کرنا اور اُن کو خدا کی خدائی میں حصّہ دار بنانا اٹکل پچّو سراسر احمقانہ بات ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ اِس لیے مُشرکین اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ٭ . . . . (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ (٦٧) (جب کہ) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے
لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ تمہارے لیے رات بنائی کہ اُس میں تم
اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ۝ سکون حاصل کرو، اور دن کو روشن
دیکھنے والا بنایا۔ اِس میں دلیلیں اور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کیلئے جو (حقیقتوں کو) سُنتے ہیں۔

رات اور دن کی افادیت

اہلِ عرفان نے اِس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رات میں پوری رات عبادت ہی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ سونا بھی ضروری ہے۔ اِسی میں مصلحت بھی ہے اور ادب بھی، اور حکمِ خداوندی کی تعمیل بھی۔ * ...... (ماجدی)

دن خود دیکھنے والا نہیں ہوا کرتا، مگر کیونکہ دن کو چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں اِس لیے عرب کے محاورے میں دن کو "دیکھنے والا" کہتے ہیں۔ اُردو میں بھی اس طرح بولا جاتا ہے۔ غرض محاورتًا دن کو دیکھنے والا کہا گیا ہے۔ * ...... (تفسیر تبیان)

نور و ظلمت کا یہ نظام جس کا ذکر قرآن مجید میں بارہا آیا ہے، حیرت انگیز اور پُر بار نظام ہے، جس میں کچھ عرصے میں تابشِ نور سے انسانوں کے صحنِ حیات کو روشن کیا گیا ہے۔ یہ عرصہ حرکت آفرین ہے، اور انسان کو جستجو اور عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ دوسرا عرصہ سیاہ پردوں میں لپٹی ہوئی آرام بخش رات کا ہے، اِس رات کے ذریعے تھکی ہوئی روح اور جسم کام اور حرکت کے لیے پھر سے تیار رہتا ہے۔

نتیجہ اور پیغام

آیت کا پیغام یہ ہے کہ دن رات، اندھیرے اور اُجالے، کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اِس میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ جس طرح رات کے اندھیرے کے بعد خدا روشنی کو لاتا ہے، اور دن کی روشنی میں وہ تمام چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں جو رات کو دکھائی نہ دیتی تھیں، اِس طرح خدا نے تمام باطل خیالات کا اندھیرا چاک کرنے کیلئے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا ہے، جو لوگوں کو خدا تک پہنچنے (وصول الی اللہ) کا واضح اور ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔ * ...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۸

(۶۸) اُن لوگوں نے کہدیا کہ اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنایا ہے۔ سبحان اللہ! پاک ہے اُس کی ذات (اِن جیسی چیزوں سے) وہ بے نیاز ہے۔ (کیونکہ) اُسی کا تو ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ آخر تمھارے پاس اِس (بکواس) کی کوئی دلیل بھی ہے؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جو تم جانتے بھی نہیں ہو۔

خدا ہر چیز سے بے نیاز ہے

" سُبْحَانَ اللّٰه " یہ کلمہ کبھی تعجب کے لیے اور کبھی اظہارِ حیرت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے لفظی معنی " خدا ہر عیب سے پاک ہے " کہنا مراد ہوتا ہے یہاں یہ کلمہ اِن تمام معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ لوگوں کے اُس قول پر اظہارِ حیرت بھی مقصود ہے اور اُنکو یہ جواب بھی دینا مقصود ہے کہ اللہ " ہر عیب سے پاک ہے " پھر اُس کی طرف بیٹے کی نسبت دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے

خدا کے اولاد ہونے کی تردید

تین طرح سے کی گئی ہے:

(۱) اللہ بے عیب ہے۔ یعنی اللہ اس عیب سے پاک ہے کہ وہ کسی مادّے سے جنسی تعلق پیدا کرلے اور پھر اُس کے بیٹا ہو۔

اور اگر اُس نے کسی کو ویسے ہی بیٹا بنا لیا ہے، تاکہ وہ اُس کا وارث ہو، تو اِس میں بھی اُس کا عجز اور کمزوری ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے بے اولاد رہنے کا نقصان بیٹا بنا کر پورا کر لیا۔ یا پھر خدا کو جذباتی ہونے کی وجہ سے کسی سے ایسی اندھی محبت ہوگئی کہ اُس نے اُسے بیٹا بنا لیا۔

(۲) دوسرا ثبوت یہ دیا کہ خدا بے نیاز ہے اُس کو اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے اولاد کی ضرورت نہیں،

www.drhasanrizvi.org

نہ اُسے اپنے وارث کی ضرورت ہے۔ خدا کو اولاد کی خواہش نہیں ہے جو ہر انسان کی کمزوری ہے تاکہ اس کے اولاد بڑھاپے میں کام آئے۔ خدا معاذاللہ نہ بوڑھا ہوتا ہے نہ بیمار۔ غرض خدا ان تمام حاجتوں سے بے نیاز ہے جن کی وجہ سے فانی انسان کو اولاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا بیٹا بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) خدا کے اولاد نہ ہونے کا تیسرا ثبوت یہ دیا گیا کہ زمین و آسمان تو سب کے سب اللہ کی ملکیت ہیں۔ پھر اُسے کسی کو اپنا بیٹا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ البتہ خدا اپنے بندوں کو ان کی اطاعت کی وجہ سے عزیز رکھتا ہے اور اس اطاعت کی خوبی کی وجہ سے وہ ان کو اپنا بیٹا نہیں بنا لیتا، بلکہ اُن سے محبت کا تقاضا اس طرح پورا کرتا ہے کہ فرمایا: "سنو! جو اللہ کے دوست ہیں (یعنی) وہ خدا کو دل سے مانتے ہیں (اور اُس ماننے کی وجہ سے) اُس کی ناراضگی سے بچتے ہیں، اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی رنج۔ دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے لیے بشارت ہی بشارت ہے۔ اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

خدا کا یہ فرمانا کہ: "هُوَ الْغَنِيُّ" وہ بے نیاز ہے۔ یعنی اُس کو کسی بیٹے یا شریکِ زندگی یا کائنات چلانے کے لیے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ (تفہیم)

پھر یہ کہ خدا کا کسی کو اپنا بیٹا بنانا یا قرار دینا یہ تو صرف اللہ کا کام ہے۔ کیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے کوئی پیغام آیا ہے کہ خدا نے مسیح کو اپنا بیٹا قرار دیا ہے۔ پھر بلا وجہ اللہ پر تہمت کیوں لگاتے ہو؟ * (فصل الخطاب)

آیت کا پیغام

آیت کا پیغام اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا واقعی طور پر صلبی بیٹا سمجھتے ہیں (معاذاللہ) اس سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں گستاخی کیا ہوگی؟ خدا ہر قسم کے جنسی تعلقات کی آلائش سے بلند اور پاک ہے۔ اور اگر عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو متبنّیٰ سمجھتے ہیں تو خدا کو اس کی بھی کیا ضرورت پیش آئی؟ کیا (معاذاللہ) خدا کو اولاد کی حسرت تھی یا بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ کیا (معاذاللہ) خدا کو یہ فکر تھی کہ اُس کے بعد اُس کے مال و دولت کا وارث کون ہوگا؟ بڑھاپے میں اُس کا سہارا کون ہوگا؟ اُس کا نام روشن کون کریگا؟ بس خدا ان تمام کمزوریوں اور مجبوریوں سے بے نیاز اور بلند و بالا ہے۔ وہ تو ان تمام چیزوں کا خالق اور تمام کائنات کا مالک ہے۔ اس لیے عیسائیوں کی ایسی ساری باتیں لغو اور بے بنیاد ہیں۔

*۔۔۔۔ (عثمانی)

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ ۶۹

(۶۹) آپ فرمادیں کہ حقیقتاً جو لوگ پر جھوٹی تہمت گھڑتے ہیں وہ کبھی پائیدار کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۠ ۷۰

(۷۰) (یہ اور بات ہے کہ) وہ دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اُٹھالیں پھر تو اُن کو ہماری طرف پلٹنا ہے۔ پھر ہم اُن کو اُن کے کفر یا حق کے انکار کرنے پر (اپنی) سزا کا مزہ چکھا دیں گے۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَتَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَيۡكُمۡ غُمَّةً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَىَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝ ۷۱

(۷۱) اور اُن کو نوحؑ کا قصہ بھی سنا دیجیے کہ جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم والو! اگر تم پر میرا (تم میں) رہنا اور اللہ کی آیتیں سُنا سُنا کر تمھیں نصیحت کرنا، اور غفلت سے بیدار کرنا بھی تمھارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے، تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ تم سب ملکر اپنے ٹھہرائے ہوئے خدا کے شریکوں کو اپنے ساتھ ملاکر اپنی مُہم تیار کرلو۔ پھر (جب) تمھیں اپنے متفقہ فیصلے میں کوئی شک باقی نہ رہے اور اُس کا کوئی پہلو تمھاری نگاہ سے چھپا بھی نہ رہے تب میرے خلاف جو چاہو کرو، اور مجھے مُہلت ہی نہ دو۔

اے رسولؐ! اِن کو قومِ نوحؑ کا انجام بتا دو

(آیت ۷۱) رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن قوم بجائے اس کے کہ اُن کی معقول باتیں اور مناسب تنقید سُن کر اپنے گریبان میں منھ ڈالتی، اُلٹی نبیؐ کی دشمن ہوگئی۔ دلیلوں کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دینے لگی۔ گویا اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ

الثلث ع ۱۲ وقف لازم

www.drhasanrizvi.org

ہم اندھوں کے درمیان جو آنکھوں والا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے بجائے اپنی بھی آنکھیں بند کرے، ورنہ ہم اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں گے، تاکہ آنکھوں کی روشنی جیسی چیز ہماری سرزمین پر نہ پائی جائے۔

اِن سب باتوں کا جواب خدا نے حضرت نوحؑ کا قصّہ سُنا کر دیا کہ اس قصّے سے اُن کو اپنا جواب بھی مل جائے گا اور اپنا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ * ..... (ماجدی)

آیت کا پیغام آیت کا پیغام یہ ہے کہ اے اہلِ مکّہ! تم نے نوحؑ اور اُن کی قوم کا حال سُنا۔ اب تو تم سمجھ گئے کہ منکرینِ حق کو کبھی حقیقی اور ابدی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اہلِ باطل کی اُچھل کود، چمک دمک، اکڑ مکڑ، محض چند روزہ ہوتی ہے۔ اُن کا انجامِ کار تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اِس لیے تم کو قومِ نوحؑ کا قصّہ سُنکر عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

اگر تم خاتم النبیینؐ کی تکذیب کرتے رہو گے اور اپنے شرک اور ظلم سے باز نہ آؤ گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہو گا جو نوحؑ کی قوم کا ہوا تھا۔ اِسی طرح خدا اپنے رسولؐ کو تسلّی دے رہا ہے، کہ آپؐ کافروں، حق کے دشمنوں کی شرارتوں اور بدمعاشیوں سے غمگین نہ ہوں۔ ہر نبیؑ کو اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

؎ گفتارِ صدق مایۂ آزار می شود
چوں حرفِ حق بلند شود دار می شود (عرفی)

(یعنی حق بات کہنا بلاؤں اور تکلیفوں کا سبب بن جاتا ہے جب کلمۂ حق بلند ہوتا ہے تو پھانسی کا پھندا تیار ہوتا ہے)

دوسرا پیغام یہ بھی دیا گیا کہ دیکھو ہمارے رسولؐ نے کسی آدمی سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ پھر اس کے باوجود صرف ہماری وحی کے سبب سے پچھلی قوموں کے کس قدر صحیح اور واضح حالات بیان فرما رہے ہیں، جو تعلیم حاصل کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اِس لیے ساری دنیا کو ماننا پڑے گا کہ آپؐ کا معلّم کوئی انسان نہیں، بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا آپؐ کا معلّم ہے۔ اِس طرح یہ بیان رسولؐ کی صداقت کی واضح دلیل بھی ہے۔ (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (٧٢)

اگر تم نے میری طرف سے منہ پھیر لیا (تو میرا کیا بگاڑا؟) میں نے تو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا تھا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمّہ ہے۔ اور مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تو (بہر حال) اُس کا (اللہ کا) فرماں بردار بنا رہوں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ (٧٣)

اِس پر بھی اُن لوگوں نے اُنھیں جھٹلایا، تو پھر ہم نے نوحؑ کو، اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا۔ اور اُنھیں ڈوبنے والوں کا جانشین قرار دیا۔ اور جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے اُن کو غرق کر ڈالا۔ تو دیکھ لیا کہ کیسا بُرا حشر ہوا ڈرائے جانے والوں کا۔ (اُن کی نافرمانی پر)؟

(آیت ٧٣) حضرت نوحؑ کا طوفان عراق میں دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے میں آیا تھا۔ اس علاقے کا رقبہ موجودہ ماہرین کے نزدیک چار سو میل لمبا اور سو میل چوڑا تھا۔ اُس زمانے میں انسانی آبادی صرف اسی علاقے میں موجود تھی۔ اور وہی آبادی حضرت نوحؑ کے طوفان سے متاثر ہوئی۔

آیت کا مفہوم آیت میں حضور اکرمؐ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اے کافرو! حق کے دشمنو! میں تمھارے مقابلے پر نہ تو کسی جانی یا بدنی تکلیف سے گھبراتا ہوں، اور نہ مجھے مالی نقصان کی کوئی فکر لاحق ہے۔ نہ میں نے تم سے اس دینی خدمت کا کوئی معاوضہ طلب کیا ہے، اِس لیے مجھے تمھاری ناراضگی کا کوئی خوف نہیں۔ میں تو خدا کا فرمانبردار بندہ ہوں اُس کی خدمت بےخوف و خطر انجام دیتا ہوں۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ عالمین کا مالک اپنے فضل و کرم کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے؟ (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ۷۴

(۷۴) پھر نوحؑ کے بعد ہم نے بہت سے پیغمبروں کو اُن کی قوموں کی طرف بھیجا۔ تو وہ اُن کے پاس (ہماری) کُھلی کُھلی دلیلیں (معجزے) لیکر آئے۔ مگر جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اُسے پھر اُنھوں نے مان کر ہی نہ دیا۔ اِس طرح سے ہم ظالم اور زیادتی کرنے والوں اور حد سے گذر جانے والوں کے دلوں پر مُہر لگا دیا کرتے ہیں۔

جاہل قوموں کا شعار

• جاہل اور گمراہ لوگوں کا طریقہ ہمیشہ سے آج تک یہی رہا ہے کہ جس بات کے لیے ایک دفعہ زبان سے "نہیں" نکل جائے پھر چاہے لاکھوں دلیلیں اُن کے سر پر دے ماری جائیں، تو بھی اُن کی نہیں، نہیں ہی رہتی ہے۔ ہاں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ احمق اسی کو بہادری، جرأت اور عظمت کا نشان سمجھتے ہیں۔

★ حد سے گذر جانے والے لوگ وہ ہوتے ہیں جو ایک مرتبہ غلطی کرنے کے بعد صرف اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی اُس غلطی پر اڑے اور جمے رہتے ہیں۔ پھر وہ کسی معقول دلیل کو سننے، سوچنے، غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں پر آخر کار خدا کی لعنت اور پھٹکار برستی ہے کہ اُنھیں سیدھے راستے پر آنے کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ ★ ..... (تفہیم)

اور خدا کا یہ فرمانا کہ: "اِس طرح ہم مُہر لگا دیتے ہیں ظلم اور زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر" کے معنی اپنی توفیقات اور ہدایات کو ایسے ظالم لوگوں سے سلب کر لیتے ہیں۔ اِس سے واضح نتیجہ نکلا کہ خدا کی ہدایات اور توفیقات سے محروم ہونے کا سبب انسان کے خود اپنے ظلم اور زیادتیاں ہوا کرتی ہیں۔

مُہر لگنے سے لفافہ بند ہو جاتا ہے اور پھر خط کے مضمون میں کوئی اضافہ ممکن نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدا کی مُہر عقل و دل پر لگ جانے سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سزا ہوتی ہے اپنی عقلوں کو ابدی

www.drhasanrizvi.org

حقائق کے سمجھنے کے لیے استعمال نہ کرنے کی۔

مُہر لگانے سے مراد توفیقات کا سلب کرلینا ہوتا ہے ۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے حق دشمنی کا۔ طلبِ حق نہ پیدا کرنے کا۔ اِس لیے مُہر لگانے سے خدا کا جبر ثابت نہیں ہوتا، نہ ظلم کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ ہمارے اختیاری عمل کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ *..... (فصل الخطاب)

آیت کا پیغام

(۱) اِس آیت کا پیغام یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ابراھیمؑ، حضرت شعیبؑ جیسے انبیاء کرامؑ اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے، واضح نشانات اور دلائل لے کر آئے، مگر اُن کی قوموں نے بھی جن چیزوں کو پہلے جھٹلایا تھا، اُن کو بعد میں بھی جھٹلاتے رہے۔ پس اُن کافروں کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ منہ سے "نا" نکل گئی، تو پھر کسی طرح ممکن نہیں کہ ہاں نکل سکے۔ کتے کی دُم کی طرح۔ اُن کی عقل مسخ اور ٹیڑھی ہو چکی ہے۔ جو کسی طرح سیدھے ہونے کا نام نہیں لیتی

(۲) دوسرا پیغام یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح حق دشمنی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ بس اُن کا نعرہ ایک ہی رہ جاتا ہے کہ: "میں نہ مانوں" تو ایسے حق دشمنوں کے دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں۔ پھر اُن میں حق کو قبول کرنے کی استعداد ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ فطرت کا قانون یہی ہے کہ جس عضو سے کام نہیں لیا جاتا وہ عضو کام کرنا بند کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے اِس لیے اب اُن کی عقلیں بیکار ہو چکی ہیں۔ ایسے لوگ پہلے حق کی تکذیب کرتے ہیں، پھر اپنی بات پر اڑے رہنے کے لیے ضد اور اصرار کرتے ہیں، پھر حق دشمنی کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر کار اُن کے دل و دماغ کی صلاحیتیں کُند ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر مُہر لگا دی جاتی ہے۔ جیسے لفافہ بند ہو گیا، اب اُس میں کوئی مضمون بڑھایا نہیں جا سکتا۔ اِسی طرح اُن کی عقل و فہم پر مُہر لگا کر اُس کو بند کر دیا جاتا ہے۔

*..... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى (٧٥) وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○

پھر ہم نے اُن کے بعد موسٰیؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اُس کے سرداروں اور بڑے آدمیوں کی طرف اپنی دلیلوں کے ساتھ بھیجا مگر انھوں نے تکبر کیا (کیونکہ) وہ بڑے گنہگار لوگ تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا (٧٦) قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

پس جب ہمارے پاس سے حق اُن کے سامنے آیا تو انھوں نے کہا: یقیناً یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔[1]

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا (٧٧) جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○

موسٰیؑ نے کہا: "ارے تم حق کو ایسا کہتے ہو! جبکہ وہ تمہارے سامنے بھی آچکا ہے۔ کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر کبھی بہتری اور مکمل کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔"[2]

معجزوں کو جادو کہنا جہالت ہے

[1] (آیت ۷۶) جاہل قومیں انبیاء کے فضائلِ علمی اور عظمتِ کردار کی قدر تو کیا کرتیں جبکہ اُن کی عقل کی سطح تو اسقدر پست تھی کہ وہ انبیاء کے معجزات کو دیکھ کر اُسے جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ "فکرِ ہرکس بقدرِ ہمّتِ اوست"

قلب ونفس کی اصلاح تو کیا ہوتی

[2] حقیقی اور پائیدار کامیابی جادوگروں اور شعبدہ بازوں کی قسمت میں نہیں ہوا کرتی۔ یہ باتیں تھوڑی سی دیر کے لیے محفل کو گرما تو سکتی ہیں مگر اخلاق و کردار، علم وعرفان سے خالی یہ شعبدہ بازیاں کسی ٹھوس اور پائیدار کامیابی سے ہمکنار نہیں کرسکتیں، کیونکہ اِن سے قلب اور نفس کی اصلاح تو کیا ہوگی، بلکہ تھوڑی سی شہرت اور کامیابی سے کبر اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ قلب کی ماہیت مزید بگڑ کر مسخ ہو جاتی ہے بقول۔

"جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا، وہ گہر کیا"
*..... (ماجدی)

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر جادو اور معجزے میں مشابہت معلوم ہوتی ہے لیکن دونوں میں

www.drhasanrizvi.org

زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جادوگر کا مقصد بھی بہت گھٹیا اور سیرت کردار اور اخلاق بھی بہت ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی جادوگر بے غرض، بے دھڑک کسی جابر بادشاہ کے سامنے اچھی باتوں کی تلقین نہیں کرسکتا، نہ وہ باکردار و پاکیزہ انسان ہوتا ہے۔ وہ تو مال، عورت اور تعریفوں کا طلبگار خوشامدی ٹٹو کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر حضرت موسیٰؑ کی جگہ کوئی جادوگر فرعون کے پاس آتا تو پہلے وہ درباریوں کی خوب خوشامدیں اور خوب تعریفیں کرتا، اُن کی خدمتیں بجالاتا، بڑی ذلّتوں کے ساتھ اُن کو سلامیاں پیش کرتا۔ چیخ چیخ کر اُن کو درازیٔ عمر کی دعائیں دیتا، پھر بڑی منت وسماجت کے ساتھ اُن کے سامنے یہ درخواست کرتا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح فرعون سے ملا دیجئے۔ پھر فرعون کو جُھک جُھک کر خوب سجدے کرتا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر خوب دعائیں دیتا، پھر عرض کرتا کہ حضور کچھ اِس غلام کو کمالات دکھانے کی اجازت عطا کی جائے۔ پھر جب فرعون اُس کے اُلٹے سیدھے شعبدے و کمالات دیکھ لیتا تو وہ اُس کے سامنے اپنی جھولی پھیلا دیتا کہ حضور! اب کچھ خیر خیرات مل جائے۔ اِس ساری تفصیلات کو قرآن نے صرف ایک فقرے میں ادا کردیا کہ: " وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ " جادوگر کبھی مکمّل و بھرپور کامیاب انسان نہیں ہوا کرتے۔" ...... ٭ (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ یہ حق کے دشمن حق کو جادو کہتے ہیں۔ کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ کیا جادو کرنے والے حق و باطل کی کشمکش جیسا صبر آزما کام کرکے کامیابی سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں؟ جادو اور معجزے میں فرق نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سونے اور پیتل میں فرق نہ کرسکے۔ بھلا پیغمبروں کے روشن چہروں، پاکیزہ اخلاق، نورِ تقویٰ، عزم و ہمت، صبر و شجاعت، علم و عمل کے سامنے جادوگری اور شعبدہ بازی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ٭...... (عثمانی)

" چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک "

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّاں کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

(اقبال)

www.drhasanrizvi.org

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ۷۸

(۷۸) اُنھوں نے کہا: کیا تم اِس لیئے آئے ہو کہ ہم کو اُس طریقے سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، تاکہ زمین میں تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے؟ اور ہم تو تم کو ہرگز ماننے والے نہیں ہیں۔"

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ○ ۷۹

(۷۹) پھر فرعون نے (اپنے آدمیوں کو) حکم دیا: "ہر بڑے ماہرِ فن، واقفِ کار جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو۔"

لاجواب ہو کر باپ داداؤں کے طریقوں کا سہارا لیا جا تا رہا ہے

(آیت ۷۸) پھر اُنھوں نے اپنی تہمتوں کے سیلاب کا رُخ حضرت موسیٰ کی طرف کیے رکھا اور اُن سے کھل کر کہنے لگے: "اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا" "کیا تم ہمیں ہمارے آباد و اجداد اور بزرگوں کے طور طریقے سے پھیر دینا چاہتے ہو؟"

درحقیقت اُنھوں نے بڑوں کے طور طریقے، رسومات، خیالی عظمت اور اُن کے افسانوی بُتوں کا سہارا لیا۔ تاکہ عوام کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے متنفّر کر سکیں، اور انھیں یقین دلائیں کہ یہ تمہارے معاشرے اور ملک کے مقدسات اور عظمتوں کو پامال کرنا اور کھیلنا چاہتے ہیں۔

اِس کے بعد اُنھوں نے اپنی پہلی بات کو جاری رکھا اور کہا کہ خدا کے دین کے بارے میں تمھاری دعوت جھوٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ تو سب اِس سرزمین پر حکومت کرنے کیلئے جال اور خائنانہ سازشیں ہیں:

یعنی: "وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○"
ہم تم دو افراد پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (تفسیر نمونہ)

www.drhasanrizvi.org

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ (۸۰) پس جب جادوگر آگئے تو موسیٰؑ نے اُن سے کہا:
مُّوسٰٓی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ ۸۰ "پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔"
فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ (۸۱) پھر جب اُنھوں نے پھینکا تو موسیٰؑ نے کہا: "جو
بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ کچھ تم لائے ہو وہ تو جادو ہے[1]۔ لو اللہ اسے ابھی
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۸۱ باطل کیے دیتا ہے (کیونکہ) یقیناً اللہ کبھی
فسادیوں کا کام ٹھیک نہیں رہنے دیا کرتا۔
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ (۸۲) اور اپنی باتوں، دلیلوں سے حق کو حق
الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ع ۸۲ ثابت کردیگا، چاہے مجرم گنہگاروں کو یہ بات
کتنی ہی ناگوار اور ناپسند کیوں نہ ہو۔"

حق اور باطل کام میں فرق

[1] آیت ۸۱ امام رازی نے لکھا کہ پہلے تو فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو دیکھ کر اُس کو جادو کہا تھا۔ اب حضرت موسیٰؑ کا جادوگروں کی رسّیوں کے پھینکنے پر (جو سانپ بن گئی تھیں) یہ فرمانا کہ: "جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جادو وہ نہیں تھا جو میں لایا تھا، بلکہ جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو۔ ….* (تفسیرِ کبیر)

جو میں لایا تھا وہ تو حق ہی حق تھا لیکن جو تم لائے ہو (یعنی رسّیوں کو پھینکا تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگیں) یہ حق نہیں ہے، بلکہ فساد ہی فساد ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس کی اصل میں کوئی ٹھوس حقیقت ہی نہیں ہے اور پھر اس کا استعمال بھی حق کی مخالفت کے لیے ہو رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بس تم اپنی قوّت خرچ کرچکے، اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت سے تمہارا سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیگا کیونکہ خدا کی عادت حکمت اور رحمت کے یہ خلاف ہے کہ اتمامِ حجّت کے وقت وہ مصلحین کے مقابلے پر مفسدین کی بات کو سنوار دے، اور کلمۂ حق کو پست و مغلوب کردے۔ *…. (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ٨٣

(٨٣) مگر موسیٰ کو فرعون اور اُس کے بڑے آدمیوں کے خوف کی وجہ سے اُن کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے بھی نہ مانا (اس لیے) کہ کہیں فرعون اُنھیں سزا نہ دے اور یہ حقیقت ہے کہ فرعون زمین پر غلبہ رکھنے والا بڑا سرکش اور واقعی اُن لوگوں میں سے تھا کہ جو ہر بات میں حد سے بڑھ جانے والے ہوتے ہیں۔

آیت میں لفظ "ذرّیّت" کے معنی ؟

آیت میں "ذُرّیت" کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ نوجوان بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کے ابتدائی نہایت پُرخطر دور میں حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دینے والے چند جراُتمند نوجوان تھے، بزرگ اور سن رسیدہ لوگ نہ تھے۔ کیونکہ اُن پر تو مصلحت پرستی اور دُنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی چھائی رہی۔

اسی طرح جب رسولِ اکرمؐ نے اعلانِ رسالت فرمایا تو آپؐ کو ماننے والے بھی قوم کے بڑے بوڑھے سن رسیدہ لوگ نہ تھے، بلکہ چند باہمّت نوجوان تھے جو شروع شروع میں ایمان لائے۔ اُن میں مصلحت کوش بوڑھا کوئی نہ تھا۔ اُن نوجوانوں میں حضرت علی ابنِ ابی طالبؑ (نے سب سے پہلے آنحضرتؐ پر ایمان ظاہر کیا) جعفرؓ طیّار، سعد ابنِ ابی وقاص، مصعب بن عمیر جیسے نوجوان تھے جن کی عمریں بیس ٢٠ سال سے بھی کم تھیں۔ اور بلالؓ حبشی، صہیب رومی کی عمریں بھی بیس ٢٠ سے تیس ٣٠ سال کے درمیان تھیں۔۔۔۔

ابتدائی مسلمانوں میں صرف ایک صحابی کا نام ملتا ہے جن کی عمر حضورِ اکرمؐ سے زیادہ تھی یعنی حضرت عبیدہؓ بن حارث مطلبی اور صرف ایک صحابی حضورؐ کے ہم عمر تھے یعنی عمارؓ بن یاسر

تلمود میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہتے تھے کہ: ہماری

www.drhasanrizvi.org

مثال تو ایسی ہے جیسے ایک بھیڑیے نے بکری کو پکڑا اور چرواہے نے آکر اُسے بچانے کی کوشش کی اور دونوں کی کشمکش میں بکری کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بس اسی طرح تمھاری اور فرعون کی کھینچ تان میں ہمارا کام تمام ہو کر رہے گا۔" *.... (کتاب تلمود)

" مُسۡرِفِیۡنَ " یعنی حد سے بڑھ جانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے مطلب کو حاصل کرنے کے لیے بُرے سے بُرے طریقے کو اختیار کرنے میں تامّل نہیں کرتے۔ کسی قسم کے ظلم اور بربریّت سے نہیں چوکتے، اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہر انتہا تک جا سکتے ہیں۔ اِس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں جس پر وہ رُک سکیں۔ *...... (تفہیم)

اُن کی قوم کے بچّوں سے مراد بنی اسرائیل کے بچے ہیں ۔ *...... (شاہ ولی اللہ)

مگر بعض لوگوں نے اس ضمیر کو فرعون کی طرف پھیرا ہے۔ پھر اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ "فرعون کی اولاد میں سے کچھ نوجوان ایمان لاتے تھے ۔ *...... (جلالین)

اصل بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی قوم فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلّت اُٹھا رہی تھی۔ مگر پرانی پیشین گوئیوں کے منتظر تھے کہ کوئی اسرائیلی پیغمبرؑ آئے گا جو فرعونیوں کا خاتمہ کردے گا۔ حضرت موسیٰؑ ٹھیک اُسی شان سے تشریف لائے جس کا انھیں انتظار تھا۔ اِسی لیے تمام بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے آنے کو اپنے لیے عظیم نعمت سمجھا۔ وہ دل سے حضرت موسیٰؑ کی عزّت کرتے تھے، مگر اُن میں کے اکثر فرعون کے ظلم و تشدّد کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔ اِسی لئے وہ ابتداء میں باقاعدہ علی الاعلان ایمان نہیں لائے۔ وقت کا انتظار کرتے رہے کہ جس وقت حق کا کلمہ غالب ہوگا تو ہم اپنا اسلام ظاہر کردیں گے۔ (یعنی اکثریّت ابتداء میں تقیہ کرتی رہی) کچھ نوجوانوں نے ہمّت کر کے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ اور کچھ گنے چُنے قبطی یعنی فرعون کی قوم والے بھی مسلمان ہوگئے۔ آخر کار جب حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تو پوری بنی اسرائیل کی قوم جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہوگئی۔ یہاں ابتدائی قصہ بیان ہو رہا ہے۔ *.... (مشتاق)

(نوٹ) یہی وقت تقیہ کرنے کا ہوتا ہے اور یہی استدلال تقیہ کا جواز ہوتا ہے۔ ظالموں سے نمٹنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.org

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ (۸۴) (مگر اس کے باوجود) موسیٰؑ نے کہا:
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا "اے میری قوم والو! اگر تم نے اللہ کو
اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۸۴ مان ہی لیا ہے تو پھر اُسی پر بھروسہ
بھی کرو، اگر واقعی تم مسلمان (یعنی خدا کے فرماں بردار) ہو۔"

اللہ کے فرماں بردار اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں

آیت کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے کہ اُس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری قوم مسلمان ہونے کا دعوٰے کرتی تھی۔ اِسی لیے حضرت موسیٰؑ اُن کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو فرعون کی طاقت سے خوف نہ کھاؤ، بلکہ اللہ کی طاقت پر بھروسہ کرو۔

(تفہیم) ...... *

؎ مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

(اقبال) ...... *

اِس آیت میں بنی اسرائیل کی اُس قوم سے، جو فرعون کے جبر سے دبے اور سہمے ہوئے تھے، کہا جا رہا ہے کہ اب ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ مومن کو خدا کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جسے خدا کی لامحدود قدرت اور رحمت پر یقین ہوگا، وہ ہر معاملے میں خدا پر بھروسہ کرے گا، پھر وہ اپنا ہر معاملہ حتیٰ کہ اپنی زندگی اور موت کو بھی خدا کے سپرد کردے گا۔ صرف اور صرف خدا کے حکم پر چلے گا۔

(عثمانی) ... *

؎ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(اقبال)

www.drhasanrizvi.org

فَقَالُوا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا (۸۵) اِس پر انھوں نے جواب دیا کہ :

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ۸۵ "اب ہم نے اللہ پر بھروسہ کرلیا ' تو اے ہمارے پالنے والے مالک ! ہمیں ظالم لوگوں کے لیے آزمائش قرار نہ دے ۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ (۸۶) اور ہمیں اپنی رحمت کے ذریعہ سے

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۸۶ اِن حق کے منکروں (کے مظالم اور سزاؤں) سے نجات عطا فرما ۔

(آیت ۸۵) مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر ہر طرح کا ظلم ڈھا کر یہ تجربے کرتے رہیں کہ کس سزا کا کیا نتیجہ نکلا اور اس طرح ہمارا امتحان پر امتحان لیتے رہیں ۔ ٭..... (ماجدی)

جب حق اور باطل کا معرکہ گرم ہوتا ہے اور کچھ نوجوان حق کی آواز اُٹھاتے ہیں تو باطل پرست طاقتیں اُن کو طرح طرح سے بدنام کرتی ہیں اور طاقت کے ذریعہ سے کچل دینا چاہتی ہیں ۔ تیسرا گروہ عام لوگوں کا ہوتا ہے جو الگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں ۔ اُن کا ووٹ بھی آخرِ کار طاقت والوں کے حق ہی میں پڑتا ہے ۔ جن کا پلّہ بھاری ہوتا ہے ۔ اگر حق کی طرف بلانے والے کچل ڈالے جائیں یا شکست کھا جائیں تو حق دشمن طاقتیں یہ دعویٰ کرنے لگتی ہیں کہ حق ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم کامیاب کیسے ہوتے ؟ عوام کہتے ہیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ ایسی بڑی طاقتوں سے ٹکرانا جان گنوانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ دین نے کب ہم پر ایسا سخت فریضہ عائد کیا تھا کہ ہم خواہ مخواہ جان دیدیں ۔ اِس طرح حق پرست لوگ سخت مصیبت میں پڑجاتے ہیں ۔ اسی لیے وہ دعا کر رہے ہیں کہ : "خدایا ! ہم پر ایسا فضل و کرم فرما کہ ہم ظالموں کے ہاتھوں بدنام ہوکر شکست کھانے اور سخت اذیت اُٹھانے سے بچ جائیں ۔ ٭..... (تفہیم)

(آیت ۸۶) اللہ کو دل سے ماننے یا ایمان لانے سے مراد توحید کو دل سے قبول کرنا اور خدا کو اپنا آقا ماننا ہے ۔ اس ایمان کا عملی تقاضا توکل ہے یعنی ہم اپنے تمام کام خدا کے سپرد کردیں اور اُسی پر بھروسہ رکھیں ۔ ٭.... (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَ اَوحَینَآ اِلٰی مُوسٰی وَ اَخِیہِ (۸۷) اِس پر ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کو
اَن تَبَوَّاٰ لِقَومِکُمَا بِمِصرَ اشارہ (وحی) کیا کہ: "اپنی قوم کو مصر کے
بُیُوتًا وَّ اجعَلُوا بُیُوتَکُم قِبلَۃً چند گھروں میں آباد کردو اور خود اپنے گھروں کو
وَّ اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَبَشِّرِ المُؤمِنِینَ ۝ قبلہ (کی سمت) (یا قبلہ رُخ) بناؤ (یا)
نماز کو گھروں کے اندر ادا کرو۔ اور نماز کی پابندی کرو اور ایمانداروں کو خوشخبری سُنادو۔"

حضرتِ موسیٰؑ کو تقیہ کا حکم

قبلہ کے مشہور معنی تو اُس مکان کے ہوتے ہیں جس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی جائے۔ * (امام راغب) لیکن یہاں قبلہ کے معنی "نماز کی جگہ" کے لیے گئے ہیں۔ * (روح) اور مقصد یہ ہے کہ تم لوگ اپنی نماز اپنے گھروں کے اندر پڑھا کرو۔ * (تفسیر کبیر) اور یہ اِس لیے تاکہ تم فرعون کے مظالم سے بچ جاؤ۔ * (ابنِ کثیر) اِسی کو فقہی اصطلاح میں تقیہ کہتے ہیں یعنی ظالم کے ظلم سے بچنے کے لیے اپنے دینی اُمور یا عقائد کو چھپا کر انجام دینا۔ جابر، جاہل ظالموں سے بچنے کا یہی اوّلین عقلی، منطقی اور فطری ممکن طریقہ ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا: "چونکہ بنی اسرائیل ظالموں سے خوفزدہ تھے اس لیے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ہارونؑ کو وحی فرمائی کہ تم اپنے گھروں کے اندر ہی عبادت کرلیا کرو"۔ *... (تفسیر صافی ۲۲۶ بحوالہ تفسیر قمی)

عالمِ اسلام کی مشہور تفسیر "جلالین" میں ہے۔ "قبلہ یعنی نماز کی جگہ کہ وہیں نماز پڑھیں تاکہ دشمن کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ فرعون انھیں نماز سے روکتا تھا۔ *.... (تفسیر جلالین)۔ بس اسی عمل کو "تقیہ" کہتے ہیں۔

فرعون نے تمام مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کردی تھیں، کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کرسکتا تھا۔ بحالتِ مجبوری حکم ہوا کہ اپنے مکان ہی میں کوئی جگہ نماز کے لیے مقرر کرلو جو قبلہ رو ہو۔ بہرحال نماز پڑھنا نہ چھوڑو۔ کیونکہ نماز کی برکت سے خدا کی مدد اور نصرت شاملِ حال ہوجاتی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکّہ کے مسلمانوں کا بھی یہی حال تھا *.... (عثمانی)

نوٹ: اِسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ (مؤلف)

www.drhasanrizvi.org

وَقَالَ مُوسٰی رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ ۸۸

(۸۸) پھر موسیٰؑ نے دعا کی: "اے ہمارے پالنے والے مالک! تو نے فرعون اور اُس کے ساتھ کے بڑے بڑے آدمیوں کو تو اس دنیا کی زندگی میں بڑی زیب زینت، اور بڑا مال و دولت دے رکھا ہے۔ اے ہمارے مالک! اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے ہی راستے سے بہکاتے ہیں۔ اے ہمارے مالک! ان کے مال غارت کر دے، اور ان کے دلوں پر ایسی مُہر لگا دے کہ یہ لوگ پھر اُس وقت تک حق کو نہ مانیں کہ جبتک تیری سخت تکلیف دہ سزا کو نہ دیکھ لیں۔"

حضرت موسیٰؑ کی بد دعا

فرعون جیسے متکبّروں، ظالموں اور آمروں کی تباہی اور بربادی کی تمنّا کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپوں اور بچھوؤں کو ہلاک کرنے کی تمنّا کرنا۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا کا مطلب یہ تھا کہ اُن کے اموال کو ایسا بدل دے کہ وہ اُس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکیں تو اس دعا کے بعد اُن کے تمام اموال اور ساز و سامان پتھر بن گئے۔ ★...... (تفسیر صافی ص۲۲۶)

جب حضرت موسیٰؑ کو سمجھاتے سمجھاتے یہ یقین ہو گیا کہ فرعونی کبھی ایمان نہ لائیں گے، طویل تجربے سے اُن کی حق دشمنی پوری پوری طرح ثابت ہو گئی، تب حضرت موسیٰؑ نے بد دعا فرمائی، "تاکہ فرعونیوں کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو جائے، اور دوسروں کو اُن کے بُرے انجام سے سبق حاصل ہو۔" اُن کی بد دعا کو ایسا ہی سمجھو جیسے خدا نے آخرکار ابلیس پر لعنت فرمائی تھی۔ ★...... (عثمانی)

لیکن شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ: سچّے ایمان کی اُن سے اب کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی۔ مگر جب آفت پڑتی تو کہتے کہ اب مانیں گے۔ اسی وجہ سے عذاب تھم جاتا۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا اس لیے مانگی کہ اب یہ جھوٹا ایمان بھی نہ لا سکیں۔ ان کے دل سخت رہیں۔ تاکہ پورا پورا عذاب آئے اور اُن کا کام تمام کر جائے۔ ★... (شاہ ولی اللہ)

www.drhasanrizvi.org

قَالَ قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا (۸۹) خدا نے فرمایا: "تم دونوں کی دعا،
فَاسۡتَقِيۡمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ قبول کی گئی۔ اب تم ثابت قدم رہو اور
الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ ۸۹ اُن لوگوں کے پیچھے ہرگز نہ چلو جو علم نہیں رکھتے

حضرت موسیٰؑ کی دعاء، قبول ہوگئی

حضرت موسیٰؑ تو دعاء کرنے والے تھے اور حضرت ھارونؑ آمین کہنے والے تھے۔ مگر اللہ نے دونوں کو دعاء کرنے والا قرار دیا۔

★ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر صافی ص ۲۲۶ و تفسیر تبیان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

"خدا نے دعاء کے جواب میں فرمایا: "قیامت تک جو بھی خدا کی راہ میں جہاد یا جدوجہد کرے گا اُس کی دعاء، اِسی طرح قبول کی جائے گی جس طرح تم دونوں کی دعاء قبول کی گئی۔"

★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (کافی)

معلوم ہوا کہ خدا صرف علم رکھنے والوں کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے، جاہلوں، آمروں، دولت مندوں، اور فاسقوں کی پیروی کی اجازت نہیں دیتا۔

جو لوگ اللہ کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے، وہ حق کے لیے کوششیں کرنے والوں کی مسلسل ناکامیوں کو دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ شاید اللہ کو یہی منظور ہے کہ ظالم باغی، حق دشمن لوگ دنیا پر چھائے رہیں۔ پھر وہ اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حق کے لیے کوششیں کرنا، جہاد کرنا لاحاصل ہے۔ اِس آیت میں خدا حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ تم ناموافق حالات میں مایوس نہ ہو۔ کہیں تم جاہلوں اور نادانوں والی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا تم حق پر ثابت قدم رہو اور حق پر جمے رہو۔

★ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

؎ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ❊ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

www.drhasanrizvi.org

وَجٰوَزۡنَا بِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡبَحۡرَ (٩٠) پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے گذار دیا۔

فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡیًا وَّعَدۡوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَهُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ۝

تو (یہ دیکھکر) فرعون اور اُس کے لشکر نے (اُن پر) ظلم اور زیادتی کرنے کی غرض سے اُن کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ فرعون ڈوبنے لگا تو چیخا: میں نے مان لیا کہ حقیقتاً کوئی معبود نہیں سوا اُس ذات کے جسے بنی اسرائیل معبود مانتے ہیں۔ اور اب میں بھی مسلمانوں (یعنی) خدا کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فرعون اور اُس کے لشکر کی غرقابی

" تفسیر جامع و مجمع البیان " میں ہے کہ: جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی، کہ فرعون کی تباہی و بربادی کے لیے خدا سے دعا مانگو۔ کیونکہ وہ لوگ اُس کے ظلم وستم سے تنگ آچکے تھے۔ پس حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو حکم ہوا کہ اِن لوگوں کو اپنے ساتھ لیکر مصر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ انھیں لیکر رات کے اندھیرے میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب دن ہوا تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا۔ دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو حضرت موسیٰؑ نے خدا کے اذن سے دریا پر اپنا عصا مارا۔ پانی شگافتہ ہوا اور بارہ راستے پیدا ہوگئے۔ نیز ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے پانی کی دیواروں میں روشندان نما جھروکے بن گئے۔ پس ایمان والے تو گذر گئے۔ لیکن جب فرعون اور اُس کا لشکر پہنچا تو عبور کرنے سے ڈر گئے۔ جبرئیل بشکلِ انسانی ایک گھوڑی پر سوار ہوکر آگے بڑھے اور فرعون مشکی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا، یہ گھوڑی کے پیچھے پانی میں اُتر گیا اور معاً لشکر بھی داخل ہوگیا، جب پورا لشکر دریا میں پہنچ گیا تو پانی آپس میں مل گیا۔ فرعون غرق ہونے لگا تو بولا کہ اب میں بھی ایمان لاتا ہوں خدا نے فرمایا: اب (ایمان لانا بیکار ہے۔ کہ تجھ پر عذاب وارد ہوچکا ہے۔

(تفسیر جامع و مجمع البیان ماخوذ از انوار النجف)

www.drhasanrizvi.org

آلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ (۹۱) (جواب دیا گیا، احمق) اب (مان رہا ہے)
كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ۹۱ حالانکہ اس سے پہلے تک تو نے میرا کوئی حکم نہ مانا، اور
تو تو فسادیوں میں سے (بڑا فسادی) تھا۔
فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ (۹۲) اب تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچا کر رکھیں
لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانِ
مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ ۹۲ عبرت اور ہماری قدرت اور سزا کی ایک بھرپور　ع ۹ / ۱۴
دلیل بنا رہے، اور لوگوں میں یقیناً زیادہ تر ایسے ہی ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

خداوندِ عالم کا یہ اصول ہے کہ عذاب کے وارد ہو جانے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں

ؔ معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی یا موت کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا یا توبہ تلا کرنا کوئی کام نہیں دیتا۔ اس لیے کہ اُس وقت امتحان دینے کا وقت ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے اور نتائج بھگتنے کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آخر فرعون کو کیوں ڈبو دیا گیا جبکہ وہ تو خدا پر ایمان بھی لے آیا تھا؟ اور خدا کی توحید کا اقرار بھی کر رہا تھا۔ ؟

امامؑ نے فرمایا کہ: "وہ خدا کی سزا کو دیکھ کر ایمان لایا تھا اور اُس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یہ خدا کا عام حکم ہے، اگلوں کے لیے بھی یہی حکم تھا اور پچھلوں کے لیے بھی یہی طریقہ ہوگا۔"

*۔۔۔۔۔ (تفسیر صافی صـ۲۲۶ بحوالہ عیون الاخبار الرضاؑ)

(آیت ۹۲) فرعون کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن ایسٹ اسمتھ نے اُسکی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اُسکی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو اُسکے غرق ہونے کا ثبوت ہے۔ (تفہیم)

اِس کا ذکر پچھلی آسمانی کتابوں میں نہیں ہے۔ یہ بھی قرآن کا معجزہ ہے۔ فرعون بائبل اور قرآن کے اعتبار سے غرق ہوا تھا۔

*۔۔۔۔ (فصل الخطاب)

www.drhasanrizvi.org

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ ۹۳

(۹۳) اور اس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو بڑے ہی اچھے شایانِ شان مقام پر رہنے کی جگہ دی۔[1] اور اچھی اچھی نعمتوں، اور غذاؤں سے نوازا۔ پھر انھوں نے آپس میں اختلاف نہ کیا مگر (اس وقت) جب دینِ حق کا علم ان کے پاس آچکا تھا۔[2] یقیناً تیرا پالنے والا مالک قیامت کے دن ان کے درمیان تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

بنی اسرائیل پر نعمتوں کی فراوانی پھر اُن کا اختلاف

[1] مراد فلسطین و شام کے سرسبز علاقے ہیں۔ جہاں بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد آباد ہوئے تھے۔ جہاں بہت خوبصورت مناظر، مکانات اور اچھی روح افزا آب و ہوا تھی۔ اسی زمین کے لیے تورات میں ہے کہ:

"اچھی وسیع زمین جہاں دودھ اور شہد موجیں مارتا ہے۔" (خروج ۳: ۸)

آج بھی یہ علاقے بڑے حسین اور دلکش مناظر پیش کرتے ہیں۔ ... (ماجدی)

[2] مطلب یہ ہے کہ ان نعمتوں کی فراوانی کا فطری، عقلی اور منطقی تقاضا تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے توحید اور بندگی کی راہ پر زیادہ مضبوطی سے قائم رہتے۔ لیکن اس کے بالکل برعکس انھوں نے دینِ حق سے اختلاف کرنا شروع کردیا۔

"بنی اسرائیل کو بڑے اچھے شایانِ شان مقام پر رہنے کی جگہ دی" اس جگہ سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین کی زمین رہنے بسنے کو ملی۔

یہاں پہنچ کر بنی اسرائیل نے اپنے دین میں تفرقے پیدا کیے۔ اور نئے نئے مذاہب نکالے۔ اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کو حقیقت کا علم نہ تھا بلکہ یہ تفرقے بازیاں انھوں نے جان بوجھ کر اپنے نفس کی شرارتوں

www.drhasanrizvi.org

کے اکسانے پر کیں۔ اور خدا کی دی ہوئی بنیادوں کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھڑے ہوئے اُصولوں پر اپنے دین کی بنیادوں کو رکھ کر عمارتیں کھڑی کیں۔ ★ ...... (تفہیم)

مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل ! فرعونیوں کو ہلاک کر کے اوّل تم کو ملکِ مصر دیا۔ پھر قومِ عمالقہ کو نکال کر ملکِ شام تمھیں دیا۔ پھر دونوں ملک سرسبز و شاداب دیئے، جہاں ستھری اور صاف چیزوں کی بہتات ہے۔ پھر مادّی انعام و اکرام کے ساتھ ساتھ تمھیں دینی اور روحانی نعمتوں سے بھی سرفراز فرمایا۔ تورات کا علم دیا۔ دین کے اصول و فروع سمجھائے۔ واضح حقائق سے آگاہ کیا۔ اب اتنے احسانات کے بعد کیا یہ بات مناسب بھی کہ تم ایسی واضح ہدایات میں اختلافات پیدا کرو، فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہو جاؤ ؟ ★ ...... (عثمانی)

ے فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ے دینِ مُلّاں فی سبیل اللہ فساد (اقبال)

حضرت عیسیٰؑ سے تین سو سال کے بعد قسطنطینِ اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا، پھر عیسائی ہو گیا تو پادریوں نے اُس کی خاطر جدید قوانین اور نئی شریعت بنا ڈالی۔ سوا چند تارک الدّنیا راہبوں کے کوئی شخص اصل دینِ مسیح پر قائم نہ رہا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ کلیساؤں میں مسیح و مریمؑ کی تصاویر پوجی جانے لگیں۔ سُوّر کا گوشت حلال کر دیا گیا۔ مشرق کی طرف نماز پڑھنا بند ہو گئی۔ اِس طرح حقیقی مسیحیت بالکل مسخ ہو کر رہ گئی، پھر یہی مسیحیت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اسی زمانے میں شام، بیت المقدس جزیرہ اور بلادِ روم پر نصرانیوں کی حکومت تھی۔ پھر مسلمانوں نے آکر اُن کو زیر کیا۔ ★ ...... (عثمانی)

ے نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

(اقبال)

www.drhasanrizvi.org

فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ (٩٤) اِلَيۡكَ فَسۡـَٔلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ ۚ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۙ‏ ٩٤

اگر اب بھی تمھیں اُس پر شک ہو جو ہم نے تم پر اُتارا ہے، تو اُن لوگوں ہی سے پوچھ لو جو پہلے سے کتاب (خدا کو) پڑھا کرتے ہیں۔ حقیقتاً تمھارے پاس تمھارے پالنے والے مالک کی طرف سے یہ (کتاب) ایک سچی حقیقت بن کر آئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

"شک" سے مراد

لہ اگر قدیم آسمانی کتابوں میں اصل عبارتیں، جن میں لوگوں نے اضافہ یا کمی نہ کی ہو، دیکھی جائیں تو وہ آج بھی قرآن کے بیانات کی مکمل تصدیق اور تائید کرتی ہوئی دکھاتی دیتی ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: "اور خدا کا یہ فرمانا کہ: 'اگر تم کو اس بارے میں شک ہے' تو یہ روئے سخن جاہلوں کی طرف تھا جو قرآن پر شک کرتے ہیں، جبکہ خدا نے آیۂ مباہلہ میں فرمایا: 'تاکہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔' یہ نہ فرمایا کہ تم (عیسائیوں) پر خدا کی لعنت قرار دیں۔ حالانکہ خدا جانتا تھا کہ نصرانی جھوٹے ہیں اور رسولؐ (معاذ اللہ) جھوٹے نہیں ہیں۔ مگر خدا اور رسولؐ نے یہی پسند کیا کہ جھوٹوں پر لعنت کو قرار دینے کا اعلان کیا جائے تاکہ مخالف کے ساتھ پورا پورا انصاف برتا جائے۔ اور حضورِ اکرمؐ کلام میں ترجیح نہ دی جائے۔

*. . . . (بیان امام علی نقیؑ از تفسیر صافی صفحہ ۲۲۷ بحوالہ علل الشرائع و تفسیر قمی)

ظاہر ہے کہ حضورِ اکرمؐ خود اپنی لائی ہوتی چیزوں پر کیسے شک کر سکتے تھے۔ بھلا وہ خود جس چیز کی طرف ساری دنیا کو بلا رہے تھے، اور سننے والوں میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین پیدا کر دیتے تھے، اُس میں خود کس طرح شک کر سکتے تھے؟ اسی لیے چند ہی آیتوں کے بعد صاف صاف فرمایا: "قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ . . . الخ (یعنی: کہہ دو اے لوگو! اگر تم کو میرے دین میں شک ہے....)

www.drhasanrizvi.org

اِس آیت نے صاف صاف بتا دیا کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے، جن کے مقابلے پر آنحضرتؐ اپنے غیر متزلزل اور اٹل عقیدے کا اعلان کر رہے تھے۔

نتیجہ ۱ : بہرحال آیت کا پیغام یہ ہے کہ کفر و تکذیبِ حق کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے، اگر تم میں شک پیدا ہو رہا ہے تو اس کا فوراً علاج کرو۔ اُس کا ایک علاج یہ ہے کہ جو لوگ صاحبانِ علم ہیں اور کتبِ سابقہ کا علم رکھتے ہیں، اُن سے تحقیق کرو۔ آخر اُن میں کچھ لوگ تو سچے اور انصاف پسند بھی ہیں، وہ تمھیں بتائیں گے کہ قرآن کے حقائق بالکل سچے ہیں۔ یہ کتاب خدا کی اُتاری ہوئی ہے اور رسُولِ خدا کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اِس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

نتیجہ ۲ : اِس سے معلوم ہوا کہ اگر شک کا علاج نہ کیا جائے تو وہ ترقّی کر کے حق سے جنگ کرنے پر اُکساتا ہے۔ پھر اور ترقّی کر کے حق دشمنی اور تکذیب تک نوبت پہنچتی ہے۔ جس کا نتیجہ سوا تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اِسی مقام پر پہنچ کر دلوں پر مُہر لگ جاتی ہے۔ یعنی تکذیب کرتے کرتے قبولِ حق کی اِستعداد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسا انسان اگر دنیا جہان کے سارے نشانات اور دلائل بھی دیکھ لے تب بھی ایمان نہیں لاتا۔ اُسے تو بس خدا کا دردناک عذاب دیکھ کر ہی یقین آتا ہے۔ مگر اُس ایمان لانے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کو خدا دوزخ سے بھر دے گا۔ اُن کی بدبختی خود اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے علمِ الٰہی میں ثابت ہو چکی ہے، اِسی لیے اُن کے لیے فرمایا گیا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝" (یونس ۹۶)

(جن لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے تیرے پروردگار کی، کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔)

اور پھر ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا:

"دوزخ کو جنّ و انس سے بھر دوں گا۔"

(عثمانی) ....*

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا (۹۵) اور نہ اُن لوگوں میں سے ہو جانا کہ جنھوں نے
بِآيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ ۹۵ خدا کی باتوں اور نشانیوں کو جُھٹلایا، ورنہ تم
سخت نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ (۹۶) (یعنی) اُن لوگوں میں سے جن کے اوپر تمھارے
كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۹۶ پالنے والے مالک کا یہ قول سچ ثابت ہو کر پورا
اُترا کہ وہ (ابدی حقیقتوں کو) ہرگز نہ مانیں گے۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى (۹۷) چاہے اُن کے پاس ہر ہر طرح کا معجزہ،
يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيمَ ۝ ۹۷ دلیل یا نشانی ہی کیوں نہ آجائے جب تک کہ
وہ سخت تکلیف دینے والی سزا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

(آیت ۹۵) بظاہر خطاب تو جناب رسول خداؐ سے ہے مگر دراصل بات اُن لوگوں کو سنائی گئی ہے جو حضور اکرمؐ کے اعلانِ حق پر شک کر رہے تھے۔ اہلِ کتاب کا حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ عرب کے عام لوگ تو آسمانی کتابوں کے علم سے ناواقف تھے۔ اُن کے لیے جناب رسولِ خدا کی آواز ایک نئی آواز تھی لیکن اہلِ کتاب کے علماء اِس بات کی تصدیق کر سکتے تھے کہ جس بات کی طرف قرآن بلا رہا ہے، یہ وہی پیغام ہے جو تمام پچھلے انبیاءؑ دیتے رہے ہیں۔ *...... (تفہیم)

(آیت ۹۶) حضور اکرمؐ سے تخاطب نہیں ہے، اور نہ آپؐ کو کوئی شک تھا۔ یہ تخاطب جھٹلانے والوں سے ہے، جس کا ثبوت اگلی ہی آیت میں موجود ہے کہ فرمایا کہ: "یقیناً وہ لوگ کہ جن پر آپؐ کے پالنے والے مالک کی بات پوری ہو کر رہی کہ وہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔" (جلالین)

خدا کا قول سچ ثابت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خود حق کے طالب نہیں ہوتے اور اپنے دلوں پر ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی کے قفل چڑھائے رکھتے ہیں، انھیں ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی۔ ...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ (۹۸) فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۹۸

تو آخر کیوں کوئی بستی اُس وقت ایمان نہ لائی جب اُسے ابدی حقیقتوں کو ماننا فائدہ پہنچاتا ؟ سوا یونسؑ کی قوم کے، کہ جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے اُن سے اپنی ذلیل کر دینے والی سزا کو دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا۔ اور اُن کو ایک مدّت تک (دنیاوی فرصتِ زندگی) فائدہ اُٹھانے کا موقع دے دیا۔

اللہ نے حضرت یونسؑ کی قوم سے عذاب ہٹا دیا

حضرت یونسؑ کی قوم کے علاوہ کوئی اور قوم ایسی نہ تھی کہ جو عذابِ خدا کے صرف آثار دیکھ کر ہی سچّے دل سے ایمان لے آئی ہو۔ اِسی لیے یہ واحد ایسی قوم تھی جو عذابِ خدا کے آنے کے بعد بھی بچالی گئی۔ ★...... (تفسیر تبیان)

حضرت یونسؑ نبی کا زمانہ ۸۶۰ء سے ۷۸۴ء قبل مسیح کے درمیان بتایا جاتا ہے، اگرچہ وہ اسرائیلی نبیؑ تھے۔ مگر اُن کو اسیریا میں جو عراق کا بڑا شہر تھا، ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہاں کے رہنے والے اسوریوں نے جن کا مرکز نینوا کا مشہور شہر تھا، جو عراق کے شہر موصل کے عین مقابل تھا۔ آج بھی اُس شہر کے کھنڈرات موجود ہیں اور وہاں آج بھی حضرت یونسؑ نبی کے نام کا ایک مقام موجود ہے۔ اور یہ شہر نینوا تقریباً ۶۰ میل کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ (تفہیم)

سوال یہ اُٹھا کہ کیا قومِ یونسؑ کا ایمان صرف دنیوی زندگی تک معتبر تھا، اِس لیے دنیا میں آنے والا عذاب اُن سے ٹل گیا ؟ یا آخرت میں بھی اُن کا ایمان موجبِ نجات ہوگا ؟

ابنِ کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی یعنی اُن کا ایمان دنیا اور آخرت دونوں میں مفید ہوگا۔ (ابنِ کثیر)

البتہ شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ: "دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کے کام نہیں آیا سوا قومِ یونسؑ کے۔ اِس واسطے کہ اُن پر عذاب نازل ہونے کا حکم نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونسؑ کی وجہ سے صرف عذاب آنے کی سی کیفیت پیدا ہوئی تھی تاکہ حضرت یونسؑ کی بات جھوٹی نہ ہوجائے۔ مگر اُس کیفیتِ عذاب پر ہی قومِ یونسؑ سنبھل گئی اور ایمان لے آئی۔ (شاہ ولی

www.drhasanrizvi.org

وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى (۹۹) اور اگر آپ کا پالنے والا مالک چاہتا تو
الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ دنیا میں جتنے (بھی لوگ) ہیں وہ سب کے
تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا سب ایمان لے آتے۔ تو کیا آپ لوگوں
مُؤۡمِنِيۡنَ ۝ ۹۹ کو مجبور کر دیجیے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔؟

دینِ خدا میں جبر و اکراہ نہیں

محققین نے اس آیت سے نتیجہ نکالا ہے کہ خدا کا نظام حکمت جبر کا متقاضی نہیں، ورنہ اگر خدا جبر کی طاقت سے کام لینا چاہتا تو دنیا میں کافر کا وجود ہی نہ ہوتا۔

٭ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفسیر علی بن ابراھیم)

ہر کافر کا وجود اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ ہر انسان اپنے عمل میں خود مختار ہے مجبور نہیں۔

ایسی تمام آیتوں نے عدلِ الٰہی کو بالکل واضح طور پر ثابت کر دیا ہے، یہ بتا کر کہ ایمان اور ہدایت میں جو اصل رکاوٹ ہے وہ خود انسان کی اپنی شرارت، غفلت، حرص و ہوس، مفاد پرستی اور عیش کوشی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ابدی حقائق کے لیے عقل و فکر سے کام لینے کو بالکل تیار ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابدی حقائق کا ماننا لینا اس کی عیاشیوں اور من مانیوں میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اور اس سے کوئی فوری مادی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبری ایمان، اللہ کے اصول کے خلاف ہے۔ تو اس طرح جبراً کوئی مومن مومن نہیں ہوتا۔ مومن ہونے کیلیے عقل سے کام لینا اور ضمیر کے دوٹوک فیصلے کو اختیاراً ماننا اور اس معاملے میں اپنے مفادات کو رد کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ لوگ ایسا نہیں کرتے اس لیے خدا بھی اُن کو ایمان لانے کی توفیق نہیں دیتا۔ ٭

٭ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (جلالین و تبیان)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی خواہش یہ ہوتی کہ زمین پر صرف خدا کی اطاعت کرنے والے بسیں تو خدا کے ایک تکوینی اشارے سے یہ سب مومن ہو جاتے۔ مگر خدا کی مصلحت جبر کے استعمال سے پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا دنیا میں تمام انسانوں کی عقلوں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ امتحان بغیر آزادی اور اختیار کے ممکن نہیں۔ اس لیے دنیا میں ہر شخص ایمان لانے نہ لانے میں آزاد اور خود مختار ہے۔ ٭ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ (۱۰۰)

البتہ کسی متنفس (انسان) کے لیے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ایمان لے آئے ۔ اور اللہ کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ (باطل پرستی کی) گندگی کا حکم اُن لوگوں پر لگادیا کرتا ہے جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے ۔

★ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو ابدی حقیقتوں کے سمجھنے کیلئے استعمال ہی نہیں کرتے

آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ جس طرح خدا کی ہر نعمت خدا کی اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اسی طرح ایمان کی نعمت بھی خدا کی اجازت اور توفیق کے بغیر نہیں ملتی ۔ کوئی شخص خدا کی اجازت کے بغیر ہدایت کی نعمت نہ کسی کو دے سکتا ہے اور نہ خود پاسکتا ہے ۔ مگر اللہ کی توفیق اور اجازت کوئی اندھی بندر بانٹ نہیں ہوتی ۔ وہ اپنی حکمت اور معقول ضابطے کے تحت صرف اُسی کو ہدایت کی توفیق یا اجازت عطا فرماتا ہے جو حق کو تلاش کرتا ہے، اپنی عقل کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرتا ہے ۔ اس لیے جتنا وہ حق کا طلبگار اور متلاشی ہوتا ہے، اُسی تناسب سے اُس کو ہدایت اور حق رسی کے اسباب و ذرائع فراہم کیے جاتے ہیں ۔ اُسی تناسب سے اُس کو صحیح علم پانے اور ایمان لانے کی توفیق عطا کی جاتی ہے ۔ اب جو لوگ حق کے طالب ہی نہیں ہوتے اور خود تعصب اور حق دشمنی میں مبتلا رہتے ہیں، اُن کے لیے خدا کے پاس جہالت اور گمراہی کی نجاستوں کے سوا کچھ نہیں ۔ اسی کیونکہ وہ لوگ خود کو اُنہی نجاستوں کا اہل بناتے ہیں ۔ اس لیے اُن کی قسمت میں یہی نجاستیں لکھ دی جاتی ہیں ۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔ ★........ (تفہیم)

پیغام اور نتیجہ آیت کا پیغام یہ ہے کہ خدا کی مشیّت اور توفیق کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں لاسکتا ۔ مگر خدا کی مشیّت اور توفیقات اُن لوگوں کو ہی دی جاتی ہے جو خدا کے نشانات اور دلیلوں پر غور کرتے ہیں ۔ اور عقل و فہم سے کام لیتے ہیں جو لوگ سوچنے سمجھنے غور کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کرتے اُنھیں خدا کفر و شرک، ظلم اور بُرائیوں کی گندگی میں پڑا رہنے دیا کرتا ہے ۔ ★...... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ (۱۰۱) (اِس لیے) آپؐ اُن سے کہہ دیجیے کہ زمین اور
وَالْاَرْضِؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے اُسے آنکھیں کھول
النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱ کر دیکھو۔ مگر جو لوگ ابدی حقیقتوں کو ماننا
ہی نہ چاہیں تو اُن کو (ہماری) نشانیاں، دلیلیں اور تنبیہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

ہماری نشانیوں کو آنکھیں کھول کر دیکھو

اہلِ عرفان نے نتیجہ نکالا کہ مخلوق کو اِس لیے دیکھنا کہ حق سمجھ میں آئے اور خدا کی معرفت حاصل ہو، خدا کی طرف نظر کرنے کے منافی نہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارے اندر حق کی طلب اور قبولِ حق کی آمادگی ہو تو بے حد وحساب نشانیاں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، صرف آنکھیں کھول کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر یہ طلب اور حق کی قبولیت کے لیے آمادگی ہی تم میں موجود نہ ہو، تو پھر لاکھ خارقِ عادات، معجزات بھی تم دیکھ لو گے، تب بھی ایمان لانے کی نعمت تم کو نہ مل سکے گی، تم ہر معجزے کو دیکھ کر وہی کہو گے جو فرعون نے کہا تھا کہ یہ جادوگری ہے۔ ایسے حق دشمنوں اور ضدی انسانوں کی آنکھیں صرف اور صرف اُس وقت کھلتی ہیں، جب خدا کا قہر و غضب اُن پر بری طرح ٹوٹ پڑتا ہے۔ جس طرح فرعون کی آنکھیں صرف ڈوبتے وقت کھلی تھیں۔ مگر اُس وقت کی آنکھیں کھلنا کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ ★ ..... (تفہیم)

یعنی سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے زمین اور آسمانوں میں خدا کی قدرت، عظمت، رحمت، حکمت اور توحید کے کیا کچھ نشانات موجود نہیں۔ ذرّہ ذرّہ پتّا پتّا اُس کی توحید کو بتا رہا ہے۔

ے پتّا پتّا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

ہر سو تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے ؛ حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
★..... (انیسؒ)

www.drhasanrizvi.org

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۱۰۲

(۱۰۲) تو اب یہ لوگ اِس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ لوگ بھی وہی بُرے دن دیکھیں جو اِن سے پہلے کے گذرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں ؟ پس آپؐ اُن سے فرما دیں کہ اچھا پھر انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

یہ لوگ بھی عذاب کے منتظر ہیں

گویا یہ لوگ بھی اُنہی ایام کا انتظار رکھتے ہیں جو پہلی تکذیب کرنے والی اقوام پر آئے تھے یعنی عذاب ہی کے منتظر ہیں۔

"تفسیر مجمع البیان" میں ہے کہ: جب حضورِ اکرمؐ معراج سے واپس آئے اور صحابہ کو بتایا کہ میں بیت المقدس گیا تھا، اور نبیوںؑ سے ملاقاتیں کیں، اور براق پر سوار ہوا۔ اور اگر کوئی نہ مانتے تو میں ایک نشانی بتلاتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میں ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے گذرا تھا کہ فلاں مقام پر اُس کا سرخ رنگ کا اونٹ وہاں گم ہو گیا تھا اور وہ لوگ اُس کو ڈھونڈ رہے تھے۔

قریش یہ سُن کر کہنے لگے کہ کسی تیز رفتار قاصد نے اُن کو بتا دیا ہو گا۔ اِس پر اُنھوں نے آپؐ سے شام کے بازاروں اور دروازوں کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔

آپؐ خاموش رہے تو فوراً جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اُنھوں نے وہاں کا منظر آپؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ پس وہ جو کچھ پوچھتے گئے آپؐ بتلاتے گئے۔ اور باوجود اس سب کچھ بتلانے کے بہت تھوڑوں نے اسلام قبول کیا۔

انہی لوگوں کے بارے میں خدا آپؐ کو تسلّی دے رہا ہے کہ آپؐ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، یہ لوگ بھی عذاب کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔

(تفسیر مجمع البیان بحوالہ تفسیر انوار النجف) ...... *

www.drhasanrizvi.org

انتظارِ فرج بہترین عمل ہے

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام نے فرمایا: کہ مجھ سے میرے آباء کرامؑ نے اور اُن سے حضرت رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" افضل اعمال امتی انتظار فرج اللّٰہ عزّ وجلّ " (عیون اخبار الرضاؑ)

یعنی: (میری امت کے اعمال میں سب سے بہتر عمل اللہ کی طرف سے فَرَج وکشادگی کا انتظار کرنا ہے۔)

امامؑ نے فرمایا: خوشی کے زمانے کا انتظار کرنا بھی موجبِ خوشی ہوتا ہے۔ جیسا کہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ " تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔"

(تفسیر صافی ص ۲۳۰ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

" ائمۂ طاہرینؑ کے دین میں ورع، تقویٰ، عفت، اصلاحِ احوال اور صبر کے ساتھ فَرَج وکشادگی کا انتظار ہے۔" (خصال)

اور فرمایا: " خدا کی طرف سے کشائش کے دور ہونے اور خوشی کے زمانہ کا انتظار کرنا افضل ترین عبادات میں سے ہے۔" (تحف العقول)

پھر فرمایا: " جو شخص حضرت صاحب امرؑ کا قائل اور اُن کے انتظار میں مرجائے، ایسے شخص کی منزلت اُس کے برابر ہے جو حضرت قائمؑ کے ساتھ اُن کے خیمے میں رہتا ہو۔ بلکہ تلوار سے جہاد کرتا ہو۔"

پھر آپؑ ذرا خاموش ہو گئے اور فرمایا: " وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ حضرت رسول خداؐ کے ساتھ ہو۔"

(جلد ۱۱ بحار الانوار اردو بحوالہ المحاسن)

آپؑ ہی نے فرمایا: " ظہور کیلئے عجلت کرنے والے ہلاک ہوں گے، ظہور کو قریب کہنے والے نجات پائیں گے اور باطل کے قلعے اپنی بنیادوں پر قائم رہیں گے، اُس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا کیونکہ یہ فتنہ خود اُن ہی کیلئے مضر ہوگا۔"

(غیبۃ نعمانی بحوالہ بحار اردو جلد ۱۱)

www.drhasanrizvi.org

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۰۳

(۱۰۳) پھر (جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو) ہم اپنے رسولوں کو اور اُن لوگوں کو بچا لیا کرتے ہیں جو اُن پر ایمان لائے ہوں۔ یہی طریقہ ہمارے ذمہ حق ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۰۴

(۱۰۴) آپ فرما دیں کہ لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کچھ شک و شبہ رکھتے ہو تو (سُن لو کہ) میں اُن لوگوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی بندگی تم اللہ کو چھوڑ کر کرتے ہو بلکہ میں تو اُس اللہ کی بندگی یا عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے۔ (کیونکہ) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں حق کے ماننے والے ایمانداروں میں شامل رہوں

نجات کا سبب عقیدۂ امامت

لہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے اِس امر (عقیدۂ امامت) پر مر جائے تو پھر تم کو کس چیز نے روکا ہے کہ اُس کے جنّتی ہونے کی گواہی نہ دو۔ جبکہ خدا نے فرمایا کہ "ہم پر حق ہے کہ مومنوں کو نجات دیں۔" (تفسیر صافی صفحہ ۲۲۳ بحوالہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر عیاشی)

غرض قرآن نے بالکل واضح طور پر دوٹوک الفاظ میں بتا دیا کہ جب بھی خدا کا عذاب منکرینِ حق یا ظالمین پر آتا ہے تو مومنین کو اُس عذاب سے بچا لیا جاتا ہے۔ اور تکوینی حادثے اور قحط وغیرہ ہمیشہ عذابِ الٰہی ہی نہیں ہوتے۔ یہ زیادہ سے زیادہ عذابِ الٰہی کی تمہید ہو سکتے ہیں۔ اِس لیے اِن کا اثر مومنین پر بھی پڑ سکتا ہے لیکن اصل عذابِ الٰہی سے مومنین کو بچا لیا جاتا ہے ...... (ماجدی)

(آیت ۱۰۴) مطلب یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر میں خدا کی بندگی اِس لیے بھی کرتا ہوں کہ زندگی اور موت تنہا اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر بھلا میں دوسروں کی بندگی کیوں کروں جبکہ وہ تو خود اپنی زندگی اور موت تک پر اختیار نہیں رکھتے۔ پھر کمالِ بلاغت یہ ہے کہ یہ نہیں کہا کہ "وہ مجھے موت دینے والا ہے اِس لیے میں اُس کی بندگی کرتا ہوں" بلکہ وہ تمہیں موت دیتا ہے اِس لیے تم کو بھی اس کی بندگی کرنی چاہیے۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا (۱۰۵) وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ ۱۰۵

اور یہ (حکم بھی مجھے دیا گیا ہے) کہ تم اپنے چہرے اور اپنی توجّہ کو پوری طرح سے اِدھر اُدھر سے ہٹا کر بالکل یکسو ہو کر، ٹھیک سیدھا اِسی دینِ خدا کی طرف قائم رکھو۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

خدا کے احکامات کی پابندی خود رسولِ خداؐ پر بھی ضروری ہے

بتانا یہ مقصود ہے کہ ہمارا رسولؐ تک ہمارے احکامات کی پابندیوں سے مستثنیٰ نہیں۔ اور یہ بھی کہ ہمارا رسولؐ قانون بنانے والا نہیں ہوتا، بلکہ قانونِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچانے والا اور نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ خدا کا شریک نہیں ہوتا، خدا کا اطاعت گذار بندہ ہوتا ہے۔

مگر بعض محققین کے نزدیک اِس آیت میں اور اِس سے پہلے اور بعد میں بھی بظاہر خطاب تو رسولؐ اکرم سے فرمایا جارہا ہے لیکن مقصود اور مراد اُمّت کے لوگوں کو سنانا ہے۔
* ...... (تفسیر صافی ص۲۳۰ بحوالہ تفسیر قمی)

یہ نہیں فرمایا کہ "اِس دین کو اختیار کرلو" یا "اِس دین پر چلو" اللہ کو یہ سارے پیرائے ڈھیلے ڈھالے نظر آئے۔ اِس لیے فرمایا: "اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا" یعنی: "اپنا چہرہ دین کے لیے جمادے۔ سیدھی نظر دین پر جمائے رکھ، دین کے راستے پر چل۔" اِس سے زیادہ ٹُھکی ہوئی چُست بندش ممکن ہی نہ تھی۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ "حَنِيْفًا" کی قید لگائی۔ حنیف کے معنی سب طرف سے مُڑ کر ایک طرف ہو جانا۔" *.... (راغب)

اور یہ جو فرمایا کہ "مشرکوں میں سے نہ ہو" تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات وصفات، حقوق اختیارات میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ بلکہ مشرکوں کے طریقۂ زندگی سے الگ ہو جاؤ۔ یعنی عقیدے ہی میں نہیں بلکہ عمل میں بھی مشرکوں سے الگ رہو۔ *...... (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا (١٠٦) اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارو
يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ جو نہ تو تمھیں کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتی ہو اور
فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ ١٠٦ نہ کوئی نقصان (پہنچا سکتی ہو) اگر تم ایسا
کرو گے تو ظالموں، گناہگاروں یا حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قادرِ مطلق صرف اللہ ہے

پکارنے سے مطلب خدا سمجھ کر پکارنا ہے۔ یہ سمجھ کر پکارنا ہے کہ جس کو پکار رہے ہیں وہی حقیقی نفع یا نقصان پہنچانے والی چیز ہے لیکن اگر کسی کو مخلوقِ خدا اور ولیِ خدا سمجھ کر پکارا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے اور وہ خدا سے اذن یافتہ شفیع بھی ہوں تو شرک نہیں۔

عملی زندگی میں تو ہم ہر روز مختلف انسانوں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ بیماری میں ڈاکٹر کو پکارتے ہیں، خدمت کے لیے نوکر کو پکارتے ہیں تو یہ ہر ایک کو پکارنا شرک نہیں کیونکہ ہم خدا سمجھ کر نہیں پکارتے، کسی کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہوتا ہے۔ اسی لیے جنگِ خیبر کے موقع پر جب فتح نہ ہوئی اور مسلمانوں کا لشکر بار بار شکست کھا کھا کر واپس آتا رہا تو رسولِ خداؐ کو حکم ہوا کہ "نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ" (یعنی علیؑ کو پکارو جو مظہر ہیں عجائب کے)۔ چنانچہ آپؐ نے علیؑ کو پکارا اور عَلَم عطا فرمایا۔ علیؑ جنگ کے لیے گئے مرحب و عنتر کو قتل کیا بابِ خیبر کو اکھاڑ پھینکا، خیبر فتح ہوا۔
(ملخص از تواریخ و کتبِ حدیث)

مطلب یہ ہے کہ اگر میرا طریقہ اور مسلک تمھاری سمجھ میں نہیں آتا تو پھر میں تمھیں اپنے دین کا اصل جوہر اور اصلِ اصول (توحیدِ خالص) سے تمھیں سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ (۱) میں تمھارے ان فرضی خداؤں کی عبادت سے سخت بیزار ہوں۔ (۲) میری عبادت اور بندگی تو خالص اُس خداوندِ قدوس کے لیے ہے جس کے قبضے میں تم سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے وہ تمھاری جانوں کو تمھارے جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایکدم کھینچ لے۔ (۳) ایسے خدا کی دل و جگر سے بندگی کی جانی چاہیے۔ دل کو اُس کی توحید کا اقرار کرنا چاہیے اور اعضا و جوارح کو اُس کی اطاعت کرنی چاہیے (۴) پھر جس کی عبادت کریں اسی سے مدد مانگنا چاہیے، اُسی سے لَو لگانی چاہیے۔ اس لیے کہ ہر قسم کا نفع اور نقصان صرف اُسی کے قبضے میں ہے مشرکوں کی طرح ایسی چیزوں کو خدا سمجھ کر پکارنا جو نہ کسی نفع اور نہ کسی نقصان کی مالک ہوں سخت ظلم ہے۔ (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ۚ وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ‌ؕ يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ○ ۱۰۷

(۱۰۷) کیونکہ اگر اللہ تمھیں کسی مصیبت میں ڈال کر نقصان پہنچائے، تو خود اُس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اُس مصیبت کو دور کرنے والا ہو، اور اگر وہ تمھیں کوئی فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے، تو اُس کے فضل وکرم کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں۔ خدا اپنے بندوں میں سے جسے بھی چاہتا ہے اپنے فضل سے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بڑا ہی معاف کرنے والا مسلسل بیحد رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍؕ ○ ۱۰۸

(۱۰۸) آپ فرما دیں کہ اے لوگو! تمھارے پاس تمھاری تربیت کرنے والے مالک کی طرف سے حق آچکا ہے اب جو کوئی بھی سیدھی راہ اختیار کریگا وہ خود اپنے ہی فائدے کیلئے ہدایت کو حاصل کریگا۔ اور جو گمراہ رہیگا وہ اپنا ہی نقصان کریگا۔ (کیونکہ) میں تمھارے اوپر کوئی حوالہ دار، تمھارا ٹھیکیدار یا ذمّہ دار نہیں ہوں۔

اللہ کیطرف سے حجّت تمام ہو چکی

[۱] مطلب یہ ہے کہ حق واضح طور پر تمام دلائل کے ساتھ پہنچ چکا۔ خدا کی آخری حجت بھی بندوں پر تمام ہو چکی۔ اب ہر شخص خود اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ اس لیے کہ جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگا۔ اور جو اُسے چھوڑ کر چلے گا، وہ خود ذلیل وحیران ہوگا۔ اب اپنے بھلے بُرے کو خوب سوچ سمجھ کر ہر شخص اپنا اپنا انتظام کرلے۔ اور جو راہ چاہے اختیار کرلے۔ پیغمبر تمھارے افعال و اعمال کے ذمہ دار، ٹھیکے دار یا جوابدار نہیں۔ اُس کا کام صرف آگاہ کر دینا اور راستہ بتلا دینا ہے اُس پر چلنا نہ چلنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔ ★..... (عثمانی)

www.drhasanrizvi.org

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ ۱۰۹

اور (اے نبیؐ!) آپؐ تو اُس خدائی اشارے یا پیغام (وحی) کی پیروی کیے جائیں جو آپؐ پر اُتاری گئی ہے۔ اور صبرو تحمل سے کام لیے جائیں جب تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سُنا دے (کیونکہ) وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۱۰۹)

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو صبر کی تعلیم دے رہا ہے

اِس آیت میں آنحضرتؐ کو تسلّی دی جا رہی ہے کہ اگر لوگ حق قبول نہیں کرتے، تو نہ کریں۔ آپؐ اُن کا غم نہ کھائیں۔ آپؐ تو بس خدا کے حکم کی پیروی کرتے رہیں۔ تبلیغِ حق کا کام انجام دیتے رہیں۔ مخالفتوں پر صبر کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ خدا آپؐ کے اور اُن کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے کہ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

* ...... (عثمانی)

اِس سورے کا خلاصہ

سورۂ یونس کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں اثباتِ خالق اور اُس کے احسانات کا تذکرہ کر کے دعوتِ عبادت دی۔[1] پھر بُت پرستی اور غیروں کی طرف جھکاؤ کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے توحید کے دلائل بیان کیے۔[2] یعنی حق سے محبت اور باطل سے نفرت (تولّا اور تبرّا) کو نہایت حسنِ اسلوبی سے بیان فرمایا۔[3] آنحضرتؐ کو ایذا دیے جانے اور آپؐ کے مشن کو خراب کیے جانے پر حلم و صبر کی تلقین کیلئے سابقہ اُمتوں کے حالات دُہرائے[4] گزشتہ انبیاء کے قصّے بلکہ اُن میں سے خصوصاً حضرت نوحؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت یونسؑ کا ذکر فرما کر حضورؐ کو تسلّی دی۔[5] اور کافروں کو سابق غرق و تباہ ہونے والوں کے انجامِ بد سے متنبہ کیا۔[6] اور توبہ کی طرف راغب فرمایا۔[7] اور آخر میں اسی دعوت کو ایک مرتبہ مزید دُہرا کر اتمامِ حجت فرمائی۔[8] اور آخری دو آیتوں میں یہ دو ٹوک فیصلہ سنا دیا کہ پروردگار کی طرف سے حق تم تک پہنچ چکا ہے لہٰذا تم بروزِ محشر عذر نہیں کر سکو گے اور جو ہدایت قبول کرے گا وہ خود ہی اُس سے نفع اُٹھائے گا، اور جو گمراہ ہوگا اُس کا وبال وہ خود ہی برداشت کریگا[9]، میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں[10] آخر میں وحی کے مطابق صبر کی تلقین عمل[11] کا حکم اور انجام[12] کا فیصلہ۔

* ... (ملخص از۔ تفسیر انوار النجف)

www.drhasanrizvi.org

اٰیَاتُهَا ۱۲۳ سُوۡرَةُ هُوۡدٍ مَّکِّیَّةٌ رُکُوۡعَاتُهَا ۱۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے مدد مانگتے ہوئے جو سب کو
فیض پہنچانے والا' بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔)

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ○ ۙ

(۱) الف۔ لام۔ را۔ (یہ وہ) کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں' اور پھر کھول کھول بیان کی گئی ہیں' اُس ذات کی طرف سے جو نہایت گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک کام کرنے والا دانا' اور ہر چیز سے پوری پوری طرح باخبر ہے

لہ یہ تینوں حروف خدا کے اسم اعظم کے حروف ہیں جو قرآن مجید میں پھیلے ہوئے ہیں' جن کو رسولؐ یا امامؑ ترتیب دے کر دعا مانگتے ہیں' تو دعا فوراً قبول ہوجاتی ہے۔ ★.... (تفسیر صافی ۲۲۰ بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ صحابی اور ضحاک نے بھی کہا کہ الف۔ لام۔ را' مخفف ہے "اَنَا اللّٰهُ اَرٰی" کا یعنی میں اللہ ہوں اور سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ ★.... (ابن جریر)

قرآن کی آیتوں کا پختہ اور مضبوط ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی بیان کردہ تمام باتیں خوب پکی' اٹل' جچی تلی ہیں۔ یہ لفاظی یا خطابت یا تخیل کی شاعری نہیں ہے۔ قرآن میں ٹھیک ٹھیک' مضبوط دلائل کے ساتھ حقیقت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ہر بات کو الگ الگ' صاف صاف' سمجھا سمجھا کر بتایا گیا ہے۔
★.... (تفہیم)

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۝ ۲

(۲) (اِس کتاب کا بنیادی پیغام یہ ہے) کہ تم کسی کی بندگی نہ کرو سوا اللہ کے۔ اور یہ کہ میں تم کو خبردار کرنے والا اور خوشخبریاں سنانے والا ہوں۔

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ ۳

(۳) اور یہ کہ تم اپنے رب سے (اپنے گناہوں) کی معافی مانگتے رہو اور اُسی کی طرف پلٹ کر آؤ تو وہ تمھیں ایک خاص مدّت تک اچھے فائدے پہنچا کر خوشی دے گا اور (آخرت میں) ہر مرتبے والے کو اُس کے ایمان وعمل کے درجے کے مطابق مقام عطا فرمائے گا۔[ت] اور اگر تم نے (خدا کی طرف سے) منھ پھیر لیا تو میں تمھارے لیے ایک بہت ہی بڑے دن کی سزا سے ڈرتا ہوں۔

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۴

(۴) (کیونکہ) تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

ت خدا کے اِس قول سے کہ "ہر مرتبے والے کو اُس کے (ایمان وعمل کے) درجات کے مطابق مقام عطا فرمائے گا۔" محققین نے نتیجے نکالے کہ (۱) جس طرح ایمان وعمل، اطاعت وتقویٰ کی کوئی حد نہیں اِسی طرح آخرت کے درجات کی بھی کوئی حد نہیں۔ (ماجدی) (۲) دوسرا نتیجہ یہ بھی نکالا ہے کہ خدا کا یہ فرمانا کہ: "ہر مرتبے والے کو اُس کے درجے کے مطابق وہ عطا کرے گا۔" بتاتا ہے کہ خدا کے فیصلے عقل اور منطق ہوتے ہیں۔ (۳) اور یہ کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر فضیلت نہیں دی جا سکتی۔ اور غیر افضل کو افضل پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ (مولنا علی نقی)

خدا سے معافی مانگنے کا انجام

مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہو گے اور اِس طرح اپنی اصلاح کرتے رہو گے تو وہ تمھیں دنیا میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازے گا، زندگی میں

www.drhasanrizvi.org

بھی امن وچین نصیب ہوگا' وہ بھی ذلّت وخواری کے ساتھ نہیں' عزت وشرف کے ساتھ۔ یہی بات ایک اور جگہ قرآنِ کریم میں خداوندِ عالم اِس طرح فرمائی ہے کہ:

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" (سورۃ النحل آیت ۹۷)

یعنی: "جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت لیکن وہ صاحبِ ایمان بھی ہو' تو ہم اُس کو ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم بالضرور انھیں بہتر اجر عطا کریں گے۔"

یہ بات اس لیے بھی کہی ہے کہ شیطان نے یہ بات عام آدمیوں کے کان میں پھونک رکھی ہے کہ دینداری اور راست بازی اور احساسِ ذمّہ داری کا طریقہ اختیار کرنے سے انسان کی آخرت تو شاید بنتی ہو یا نہ بنتی ہو' لیکن دنیا ضرور بگڑ جاتی ہے۔ ایمانداروں کے لیے دنیا میں فاقہ مستی اور خستہ حالی کے سوا کچھ نہیں۔ یہاں اِس بات کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ اپنی اصلاح حال کرنے والوں کی دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی۔ اُن کے لیے متاعِ حَسن یعنی "اچھا سامانِ زندگی" ہوگا۔ قرآن کی رو سے ایک سامانِ زندگی وہ ہے جو بُرا ہوتا ہے جو بُرے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ سامان ہے جو ایمان داری سے کمایا جاتا ہے اور اسے انسان خوشحال ہوکر خدا کا شکر ادا کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ ایسا سامان "متاعِ حسن" ہوتا ہے۔ اور جس سامانِ زندگی کو غلط طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے اُس کو قرآن نے "متاعِ غرور" فرمایا ہے' یہ سامان انسان کو متکبر' ظالم' اور ناشکرا بناتا ہے' وہ دنیا میں شر پھیلاتا ہے۔ جبکہ متاعِ حَسن کی وجہ سے پاک انسان خیر واصلاح کے کام کرتا ہے۔ فساد اور شر کو مٹاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ متاعِ حَسن یعنی اچھا سامان زندگی وہ ہے کہ جو صرف دنیا کے عیش وعشرت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ عیشِ آخرت کا ذریعہ بنتا ہے۔

اور عطائے درجات کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے ہاں ہر شخص اپنی سیرت وکردار' حُسنِ اعمال کے عین مطابق جس فضیلت اور عطا کا مستحق ہوتا ہے' وہ فضیلت اُس کو ضرور دی جائے گی۔ ★۔۔۔۔ (تفہیم)

www.drhasanrizvi.org

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (٥) لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ٥

دیکھا! وہ اپنے سینوں کو (کس طرح) موڑتے ہیں تاکہ اُس سے چُھپ جائیں۔ جان لو کہ جب یہ خود کو کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں تو (اُس وقت بھی) اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور اُس کو بھی جسے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا اُن رازوں تک کو بھی خوب جانتا ہے جو (اُن کے) سینوں میں ہیں۔

مشرکوں کا طریقہ

مکے میں جب حضورِ اکرمؐ نے دعوتِ حق بلند کی تو بعض لوگ ایسے حق دشمن تھے کہ آپؐ کو دیکھکر کترا تے تھے۔ حق بات سُننا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ آپؐ کو آتا دیکھکر اپنا منھ اپنے کپڑوں کی اوٹ میں چُھپانے لگتے تھے کہ کہیں آمنا سامنا نہ ہوجائے اور کہیں آپؐ کوئی اچھی بات اُن سے نہ کرنے لگیں۔ گویا اُنھیں حق کا سامنا کرنا گوارا نہ تھا۔ اور شُترمرغ کی طرح اپنا منھ چھپاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ بس اب حقیقت غائب ہوگئی۔ حالانکہ منھ چُھپانے سے حق نہیں چُھپ سکتا۔ اور آنکھیں بند کرنے سے سورج غائب نہیں ہوا کرتا۔ ★...... (تفہیم)

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب جابر ابنِ عبداللہ انصاریؓ فرمایا کرتے تھے کہ مشرکین جب حضرتِ رسولِ خداؐ کے پاس سے گذرتے تو کبھی اپنا سر جُھکا کر اور کبھی پیٹھ کو دُہرا کر کے، اور سر پر کپڑا ڈال کر اپنے راز چُھپانے کی کوشش کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ★...... (تفسیر صافی ۲۳۰ بحوالہ الکافی و تفسیر عیاشی)

گیارہواں پارہ ختم ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

آج مورخہ ۵ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ ہجری بمطابق ۱۷ نومبر ۱۹۹۶ء ۱۲ بجکر ۴۵ منٹ شبِ دوشنبہ میں اس پارے کی کتابت مکمل ہوئی۔ قارئینِ کرام سے التماسِ دُعا، کے خواہشمند عالیمرتبت ڈاکٹر محمد حسن رضوی مدظلہ و عالیجناب سید غلام نقی رضوی مدظلہ نیز محترم المقام اشفاق حسین مدظلہ اور حقیر سراپا تقصیر محمد جعفر زیدی کاتبِ ھٰذا القرآن المجید ★

www.drhasanrizvi.org

عظیم الشان درس :- ✱ از نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۴

قرآنِ حکیم

کی توصیف میں ـــــــ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ـــــــ ملاحظہ فرمائیے

یاد رکھو ! یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو فریب نہیں دیتا، اور ایسا ہدایت کرنے والا ہے جو گمراہ نہیں کرتا، اور ایسا بیان کرنے والا ہے، جو جھوٹ نہیں بولتا۔ ـــــــ جو بھی اِس قرآن کا ہمنشین ہوا، وہ ہدایت میں اضافہ پاکر اور گمراہی و ضلالت کو کم کرنے کے بعد ہی اِس سے الگ ہوا ہے

جان لو ! قرآن (کی تعلیمات) کے بعد کسی لائحہٴ عمل کی احتیاج نہیں رہتی، ـــــــ اور نہ کوئی شخص قرآن سے (کچھ سیکھنے سے) پہلے اِس سے بے نیاز ہو سکتا ہے ـــــــ اِس سے اپنی بیماریوں کے لیے شفا چاہو ـــــــ اور اپنے مصائب اور پریشانی پر مدد مانگو۔

اِس میں کفر و نفاق اور ہلاکتِ (ابدی) و گمراہی جیسے بڑے بڑے مرضوں کی شفا موجود ہے۔

اِس کے وسیلے سے اللہ جل شانہٗ سے (حاجات) طلب کرو۔ ـــــــ اور اِسے لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یقیناً بندوں کیلئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اِس جیسا کوئی ذریعہ نہیں ہے،

تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ **قرآن** ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول اور ایسا کلام کرنے والا ہے (جس کی ہر بات) تصدیق شدہ ہے۔ قیامت کے دن جس کی شفاعت یہ قرآن کرے گا، اُس کے حق میں مان لی جائے گی، اور ـــــــ اُس دن جس کے عیوب قرآن بیان کریگا تو اُس کے بارے میں بھی اِس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ اُس دن ایک نِدا دینے والا پکار کر کہے گا کہ: دیکھو قرآن کی کھیتی بونے والوں کے علاوہ ہر بونے والا اپنی کھیتی اور اپنے اعمال کے نتیجہ میں مبتلا و پریشان ہے۔ لہٰذا تم قرآن کی کھیتی بونے والے اور اِس کے پیرو کار ہو، اور اپنے پروردگار تک پہنچنے کیلئے قرآن کو دلیل راہ بناؤ، اور اپنے نفسوں (کو درست کرنے) کے لیے قرآن سے پند و نصیحت چاہو اور اِس کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں کو غلط اور فریب خوردہ سمجھو عمل کرو عمل کرو...“

لاشریک لہٗ

طریقہ و آدابِ قرأت و مخارجِ حروف

قرآنِ کریم کے پڑھنے میں حرفوں کا صحیح طریقہ پر ادا کرنا۔ مثلاً "ض" کی جگہ "ظ" نہ ہوجائے۔ وہ حروف جن کی آواز ملتی جُلتی ہے مثلاً ض، ظ، ذ، ز اور س، ص، ث وغیرہ کو عام طور ایک سی آواز سے پڑھا جاتا ہے جو غلط ہے۔ ان حروف کے فرق کو واضح کرنے کے لیے حسبِ ذیل اختیار کیا جائے۔

حروف کو اُن کے اصل مخارج سے ادا نہ کیا جائے گا تو معنوں میں تبدیلی واقع ہوجائے گی اور اصل مقصد فوت ہوجائے گا۔ مثلاً: "عَلِیٌ" کو "ع" کے مخرج سے ادا نہ کیا اور "الف" کے مخرج سے ادا کیا جائے (جیسا عوام میں رائج ہے)، تو وہ عَلِیٌ کے بجائے "اَلِی یا اَلَا" بن جائے گا اور معنی میں تبدیلی واقع ہوجائیگی۔ عَلِیٌ کے معنی "اوپر" اور اَلَا کے معنی خبردار ہو یا آگاہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کی جانی چاہیئے۔ تیزی یا روانی سے تلاوت کرنے میں ایک مفہوم آیت دوسرے مفہوم سے مل کر غلط ہوجاتا ہے۔ مثلاً۔ ایک جملہ ہے کہ: "روکو مت جانے دو" اِس کو روانی سے پڑھا جائے تو مطلب اثبات میں نکلے گا اور اگر ٹھہر کر پڑھا جائے تو مطلب نفی میں نکلے گا۔ قرآن مجید نے خود فرمایا ہے کہ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو) (سورۃ مزمل)

حروف	(حروف کو کیسے ادا کیا جائے) مخارجِ حروف
ء۔ ھ	دونوں حروف کو ابتدار حلق سے
ع۔ ح	وسطِ حلق سے
غ۔ خ	انتہارِ حلق سے
ق	زبان کی جڑ اور اوپر کے تالو سے
ک	ق کے مخرج سے تھوڑا سا ہٹ کر۔ یعنی پہلے
ج۔ ش۔ ی	زبان کے درمیان اور اوپر کے تالو کے درمیان سے
ض	زبان کے کنارے اور دانتوں کی گرہ کے قریب سے۔ یعنی تمام کنارے زبان کے لگانے ہیں بائیں طرف کے اوپر داڑھوں کی جڑ سے یا دائیں طرف سے۔ لیکن بائیں طرف سے آسان ہے۔
ل	زبان کی نوک کے قریب سے اور اوپر کے تالو سے۔
ر	زبان کے سر اور اوپر کے دانتوں کے نیچے سے۔ نون کے مخرج کے بعد
ن	زبان کے سر اور اوپر کے دانتوں کے نیچے سے۔
ط ت	زبان کے سر اور اوپر کے دانتوں کی جڑ سے۔
ظ ز ث	زبان کی نوک اور اگلے دانتوں کے درمیان سے
س ص ذ	زبان کی نوک اور اگلے دانتوں کے درمیان سے
ف	نیچے کے ہونٹ کے اندر اور اوپر کے دانتوں کے کنارے سے
ب م و	ہونٹوں کے درمیان سے
ا	فضاء دہن سے۔ یعنی الف دراصل ایک ہوا کی مانند ہے جو اندر سے نکلتی ہے

(ماخوذ از قرآن الکریم۔ مولانا فرمان علی اعلی اللہ مقامہٗ)

www.drhasanrizvi.org

وَحْدَہٗ

رُموز واوقافِ قرآن

(از: القرآن الحکیم:)
(مولانا فرمان علی اعلی اللہ مقامہ)

قرآن مجید کی تلاوت کے لیے رُموز واوقاف کا جاننا بیحد ضروری ہے تاکہ صحیح طریقے سے تلاوت کی جاسکے۔ طریقہ مندرجہ ذیل ہے۔

رُموز واوقاف	واضح نام	احکام
م	وقفِ لازم	یہاں ضرور ٹھہرنا چاہیئے ورنہ عبارت کا مطلب منشاءِ الٰہی کے خلاف ہوجائے گا۔
ط	وقفِ مطلق	یہاں سے گذرنا نہیں چاہیئے، بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس پر وقف کرکے مابعد سے ابتدا کی جائے
ج	وقفِ جائز	یہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔
ز	وقفِ مُجوِّز	یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے، لیکن ٹھہرنا بھی جائز ہے۔
ص	وقفِ مُرخّص	یہاں ملاکر پڑھنا چاہیئے، لیکن تھک جانے کی حالت میں ٹھہرنا جائز ہے۔ "ز" کی بہ نسبت "ص" میں وصل (یعنی ملاکر پڑھنے) کو ترجیح ہے۔
ق	قِیلَ علیہ الوقف	کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے۔ لیکن ملاکر پڑھنا بہتر ہے۔
لا	لا وقف علیہ	یہاں ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیئے، بلکہ اگر بھولے سے ٹھہر جائے تو ماقبل سے دوبارہ ملاکر پڑھنا واجب ہے
قف	قِف علیہ	یہاں ٹھہرنا چاہیئے۔
سکتة	سکتہ	اِس جگہ آواز کو اِس طرح توڑے کہ سانس نہ ٹوٹے۔
وقفه	وقفہ	لمبے سکتہ کی علامت ہے، اِس جگہ ذرا دیر تک آواز کو توڑے رکھے، لیکن سانس نہ ٹوٹے۔ سکتہ وصل سے قریب تر ہوتا ہے اور وقفہ، وقف سے۔
صل	قَد یُوصَل	کبھی ملاکر پڑھا جاتا ہے، لیکن وقف کرنا احسن ہے۔
صلے	الوصل اَولیٰ	یہاں ملاکر پڑھنا بہتر ہے۔
		جہاں ایک سے زیادہ علامتیں ہوں (مثلاً: ز صلے وغیرہ) وہاں اوپر کی علامت کا اعتبار ہے۔ اور اگر ایک سے زیادہ علامتیں ایک سیدھ میں ہوں (مثلاً ص ق وغیرہ) تو آخری علامت کا اعتبار ہوگا۔
ع	رکوع	رکوع کی نشانی ہے۔ یہاں رکوع ختم ہوتا ہے۔
○	آیة (ة)	آیت کی ة کو دائرے میں منتقل کیا گیا۔ جو اکثر ختم آیت کے بعد بنایا جاتا ہے۔
○ لا		یہ علامت جہاں ہوتی ہے وہاں ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں جائز ہیں
∴ ∴	معانقہ یا مراقبہ	معانقہ علامت ہے کہ یہاں دو وقف ہیں۔ ایک کو اختیار کرے۔ اس کے رمز مختلف ہیں۔ کہیں تین نقطے بنا دیے جاتے ہیں، کہیں "مع" بنا دیتے ہیں اور کہیں "معانقہ" و "ج" لکھتے ہیں۔